مجالسِ رنگین

مصنفہ

سعادت یار خاں رنگین دہلوی

مرتبہ

سید مسعود حسن رضوی ادیب ایم۔ اے

باہتمام محمد جواد مالک و مہتمم مطبع

در نظامی پریس وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ طبع گردید

فہرست

مقدمہ

اس کتاب کے مصنف سعادت یار خان رنگین سید انشا کے گہرے دوست
دہلی کے مشہور شاعروں میں ہیں۔ دیباچۂ کتاب میں لکھتے ہیں کہ ۱۰ رجب
[illegible]ھ کو لکھنؤ میں چند اعزا اور احباب خاص کے مجمع میں اپنی اور مختلف شاعروں
[illegible]شتہ صحبتوں کا ذکر کر رہا تھا اور بیان کر رہا تھا کہ فلاں شہر میں فلاں شخص سے
گفتگو ہوئی اور فلاں سے یہ۔ میرے دوست مرزا نعیم بیگ جوان نے فرمایا
اس تقریر کو ایک رسالہ کی شکل میں لکھ ڈالو تو ایک یادگار باقی رہ جائے گی۔
انشاء اللہ خاں نے بھی ان کی تاکید کی اور تمام اہل صحبت بھی مصر ہوئے
میں نے ان کی خاطر سے چند مجلسیں لکھیں۔

اس کتاب کا نام سید انشاء اللہ خاں کا تجویز کیا ہوا ہے۔ اور حق یہ ہے کہ
[illegible]نف کے نام اور کتاب کے موضوع کے اعتبار سے اس سے بہتر نام ملنا
[illegible]ل تھا۔

"مجالس رنگین" نہایت دلچسپ اور پُر از معلومات کتاب ہے۔ اس میں
[illegible]ت سے ان شاعروں کا حال ملتا ہے جن کے بیان سے اکثر تذکرے خالی ہیں
[illegible]ونکہ رنگین کے تمام بیانات چشم دید ہیں لہذا مستند بھی ہیں جتنے آدمیوں کا
[illegible]ب ان کی فہرست مجلسوں کے حوالوں کے ساتھ کتاب کے آخر میں درج ہے

اس کتاب سے رنگین کے زمانہ کے مذاقِ شعر۔ اس دور کے لوگوں کی طبیعت۔ اور اس عہد کی معاشرت کے بعض پہلوؤں پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

خود رنگین کے بارے میں بھی اس کتاب سے بہت سی باتیں معلوم ہوتی ہیں یہ باتیں کتاب بھر میں بکھری ہوئی ہیں۔ ان کو یکجا کرنے سے ذیل کے نتائج حاصل ہوتے ہیں۔

سعادت یار خاں رنگین کے والد محکم الدولہ طہماسپ بیگ خان بہادر اعتقاد جنگ ایک معزز امیر تھے۔ ان کی جاگیر بہت بڑی تھی۔ بادل کا پرگنہ چوراسی گاؤں کے ساتھ ان کی جاگیر میں شامل تھا۔ سنہ ۱۲۰۳ھ میں شاہ عالم بادشاہ دہلی نے ان کو اپنا ایلچی بنا کر تیمور شاہ والی کابل کے پاس بھیجا تھا۔ اس واقعے کی تفصیل آگے درج کی جائے گی۔ رنگین خود بھی معزز آدمی تھے۔ بڑے بڑے نوابوں اور منصب داروں سے بے تکلف دوستی اور برادرانہ تعلقات تھے۔ نواب نجف قلی خاں نے جب نواب مرزا جعفر کو کانوڈ سے دہلی بھیجا تو رنگین کو بھی دو سو سواروں کے ساتھ ان کے ہمراہ کر دیا۔ جب یہ لوگ ریواڑی کے شہر میں پہنچے تو وہاں کے راجہ مترسین نے ان کی بڑی پرتکلف دعوت کی۔ لشکر نارنول میں رنگین نواب اسمٰعیل خاں بہادر کے ساتھ تھے۔ نواب غلام قادر خاں فرخ رنگین کے دستار بدل بھائی تھے اور انھیں کی صحبت میں رنگین کو شعر گوئی اور شعر خوانی کا شوق پیدا ہوا تھا۔

رنگین شاہ حاتم کے شاگرد تھے۔ بچپن سے بے جھجک اور بیباک تھے اور بقول خود ان کے مزاج میں چالاکی زیادہ تھی اور شعور کم۔ چنانچہ ایک دن شاہ حاتم نے اپنے شاگردوں اور ارادت مندوں کے مجمع میں اپنا یہ مطلع پڑھا ؎

سر کو پٹکا ہے کبھو سینہ کبھو کوٹا ہے　　رات ہم ہجر کی دولت سے مزا لوٹا ہے

رنگین نے سنتے ہی کہا کہ اگر یوں ہوتا تو بہتر تھا ؎

سر کو پٹکا ہے کبھو سینہ کبھو کوٹا ہے　　ہم نے شب ہجر کی دولت سے مزا لوٹا ہے

لوگوں کو رنگین کی یہ گستاخی بری معلوم ہوئی۔ لیکن شاہ صاحب نے بڑی تعریف کی اور کہا کہ میں اپنے دیوان میں اس مطلع کو یونہیں لکھوں گا۔ اس واقعے سے ضمناً یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ اس زمانہ میں لوگ علامت فاعل (نے) کے حذف کو خلاف فصاحت سمجھنے لگے تھے۔ اس خیال کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ رنگین نے میر سوز کے اس مصرع پر بھی ع

"میں کہا دل میں درد ہے میرے"

یہ اعتراض کیا تھا کہ "میں کہا" غیر فصیح ہے۔

رنگین کوئی عالم و فاضل شخص نہیں تھے اور ان کو علمیت کا دعویٰ بھی نہ تھا چنانچہ خود کہتے ہیں۔

"اگرچہ گمان ہیچ کمالے ندارد، اما از فیض صحبت بزرگاں فی الجملہ از شعر و شاعری بہرہ بر داشتہ۔"

مرزا نعیم بیگ جوان نے جب یہ کتاب لکھنے کی فرمایش کی تو رنگین نے انکو یہ جواب دیا

"علم اصلا ندارم اگر نوشتم چہ تکلف پیدا خواہد کرد۔ نظم من چیست کہ نثر خواہد بود"

اُس زمانہ کا ہر شریف آدمی تھوڑی بہت فارسی ضرور پڑھتا تھا چنانچہ رنگین بھی فارسی جانتے تھے۔ فارسی میں شعر بھی کہتے تھے۔ مگر فارسی نثر اچھی نہیں لکھتے تھے اور ان کو خود بھی اس بات کا احساس تھا۔ ان کی نثر میں کوئی حسن یا ادبیت تو خیر ہے ہی نہیں اس میں فارسیت کی روح بھی مفقود ہے۔ ان کا انداز بیان اور پرواز خیال دونوں بالکل ہندی ہیں۔ وہ سوچتے اُردو میں ہیں اور لکھتے فارسی میں ہیں۔ اسی لیے گو الفاظ سب فارسی ہیں مگر جملوں کی ساخت اُردو ہی ہے اس کتاب کے پڑھنے والوں کو اسے اُسی نظر سے پڑھنا چاہیے جس نظر سے یہ لکھی گئی ہے یعنی "مطلب از عبارت نیست مدعا از مدعاست"۔

"مجالس رنگیں" یقیناً نثر کی پہلی کتاب ہے جو رنگین کے قلم سے نکلی اور اُن کی تصنیفات کی طویل فہرست پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی نثر کی آخری کتاب بھی ہے۔ ان کی کسی دوسری نثر تصنیف کا پتہ اب تک نہیں چلا۔ ان کی فارسی نظم بھی سیدھی سادھی ہوتی ہے۔ چند غزلیں اس کتاب میں جا بجا درج ہیں۔ اُن سے ان کی فارسی شاعری کا انداز معلوم ہو سکتا ہے۔

رنگین نے اپنا تخلص اپنی طبیعت کے مناسب رکھا تھا وہ ایک رنگین منش زندہ دل۔ یار باش۔ آزاد طبع۔ حسن پرست اور عاشق مزاج آدمی تھے۔ (دیکھو

مجلس ۱۶ و ۴۰ و ۵۰) مگر اسی کے ساتھ خود دار بھی تھے اور اپنے خاص احباب یا نہایت خاص لوگوں کے سوا ہر شخص کے یہاں جانا پسند نہیں کرتے تھے ..
(دیکھیے مجلس سی و نہم)

نواب نظام قادر خاں فرخ رنگین کے بڑے گہرے دوست تھے ۔ لڑکپن میں ان دونوں نے اپنی پگڑیاں بدلی تھیں ۔ یہ اردو کے اچھے شاعر تھے ۔ انھیں کی صحبت میں رنگین کو شعر خوانی اور شعر گوئی کا شوق پیدا ہوا تھا ۔ رنگین شاہ حاتم سے اصلاح لیتے تھے اور شاہ صاحب کی رائے ابتدا ہی میں یہ تھی کہ کچھ مشق کے بعد یہ بہت ترقی کریں گے ۔ رنگین نہایت زود گو تھے اور اسی زود گوئی کی بدولت بہت سی کتابیں تصنیف کر ڈالیں ۔ مگر ان کے کلام میں حقیقی شاعری بہت کم ہے زیادہ تر ان کی توجہ محاورات کی درستی عبارت کی چستی اور الفاظ کی نشست وغیرہ کی طرف رہتی تھی ۔ ایک غزل اس شرط کے ساتھ کہی کہ حروف تہجی میں سے ترتیب وار ایک ایک حرف سے دو دو لفظ شروع ہوں ۔ قافیہ اور ردیف کو اس شرط سے مستثنیٰ کر دیا تھا ۔ یہ غزل مجلس بست و دوم میں درج ہے ۔ باوجود انتہائی زود گوئی کے اس غزل کی تصنیف میں تین مہینے صرف کرنا پڑے ۔ لیکن سچ پوچھیے تو ان کی یہ محنت "کوہ کندن و کاہ برآوردن" کا مصداق ہے ۔ شاعری سے تو اس کو کوئی واسطہ نہیں البتہ الفاظ کے استعمال پر قدرت حاصل کرنے کی ایک اچھی مشق ہے ۔

اختلاف مذاق ہر زمانہ میں رہا ہے اور ہمیشہ رہیگا ۔ رنگین کے زمانہ میں بھی کوئی

صاف شعر پسند کرتا تھا کوئی دقیق - خود رنگین کا خیال یہ تھا کہ صاف شعر اچھا ہوتا ہے اس لیے کہ وہ عام فہم اور خاص پسند ہوتا ہے - اس کے علاوہ صاف شعر میں محاورے اور اصطلاح کی غلطی اور کلام کی مہملیت چھپ نہیں سکتی - اور اسکی اچھائی برائی جلد معلوم ہو جاتی ہے - اس کے خلاف دقیق شعر میں اگر کوئی قباحت بھی ہوتی ہے تو عام لوگ اپنے فہم کا قصور سمجھکر خاموش ہو رہتے ہیں اور خاص لوگ بھی شبہے میں پڑ جاتے ہیں - اسی لیے صاف شعر کہنا دقیق شعر کہنے سے زیادہ مشکل ہے -

رنگین توارد اور سرقے کی بحث کو فضول سمجھتے تھے - اُن کا خیال یہ تھا کہ مضمون کو جو شخص خوبی کے ساتھ باندھے وہی اسکا مالک ہے - یعنی وہ مضمونِ شعر کو انداز بیان کے مقابلہ میں کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے -

رنگین کو میر حسن کی مثنوی اسقدر پسند تھی کہ وہ پسندیدگی کو لفظ عشق سے ظاہر کرتے ہیں - انھوں نے اس مثنوی کو نہایت تحقیق و تصحیح کے بعد اپنے ہاتھ سے نقل کیا تھا - پھر بھی چند مقامات پر کچھ شبہے رہ گئے تھے جن کو اُنھوں نے فیض آباد میں مصنف کے بیٹے میر خلیق سے پوچھکر دور کرنا چاہا تھا - جن شعروں میں رنگین کو شبہہ تھا وہ یہ ہیں -

معرق جواہر سے اک جفت کفش
نہ وہ مفت پا بلکہ پا مفت کفش

کہا اس نے اس سے کہ سچ ہے یہ
دیا چھیڑنے کو مرے کچ ہے یہ

کھڑے ارنے ہوتے تھے سر جوڑ جوڑ
کہ جی کون دیتا ہے بد بد کے ہوڑ

تجھے فصل کرتے نہیں لگتی بار
نہو تجھ سے مایوس امیدوار

ان میں سے پہلے شعر کے معنی رنگین کی سمجھ میں نہیں آئے تھے اور باقی شعروں کے قافیے مشتبہ معلوم ہوتے تھے۔

میر سوز کی شاعری رنگین کو پسند نہ تھی۔ مگر اُن کی بزرگی کا لحاظ کرتے تھے۔ رنگین نے بہت سے شاعروں کا ذکر کیا ہے لیکن صرف میر کو "حضرت میر تقی صاحب" لکھا ہے۔ اس عزت سے کسی دوسرے شاعر کا نام نہیں لیا ہے۔ مگر اعتراض سے اُن کو بھی نہ چھوڑا۔ اُن کو میر کے کلام پر خاص اعتراض یہ تھا کہ وہ لفظوں کو تنگی سے نظم کرتے ہیں مثلاً ؎

سارے رندا و باش جہاں کے تجھ سے سجود میں رہتے ہیں
بانکے ترچھے ٹیڑھے تیکھے سب نے تجھ کو امام کیا

کیسا کعبہ کس کا قبلہ کون حرم کیسا احرام
کوچے کے تیرے باشندوں نے سب کو یہیں سے سلام کیا

رنگین سید انشا کو باکمال اُستاد سمجھتے تھے اور اُن کی شاعری سخن فہمی اور انتخاب الفاظ کے قائل تھے (دیکھو مجلس بست وچہارم)

رنگین کو بدیہہ گوئی میں کمال حاصل تھا اور ان کے ہمعصر بھی ان کے اس کمال کے معترف تھے۔ یہاں اُن کی بدیہہ گوئی کی مثالیں پیش کرنا ضروری نہیں معلوم ہوتا کتاب کا ہر ورق اُن کے اس وصف پر شاہد ہے۔

عیوب کلام پر رنگین کی نظر فوراً پڑتی تھی کسی کے کلام پر اعتراض کر دینا اُن کو

بڑا مشکل کام نہیں ہے۔ مگر رنگین میں کمال یہ تھا کہ ادھر اعتراض کیا اور اُدھر اصلاح دیکر شعر کو درست کر دیا یا اُس سے بہتر شعر فوراً لکھ دیا۔ وہ اعتراض کرنے میں بڑے بیباک تھے لیکن بزرگوں کے کلام پر اعتراض کرنا خلافِ ادب سمجھتے تھے۔ پھر بھی اگر ضرورت پڑ جاتی تھی تو اعتراض کرنے سے باز نہ رہتے تھے۔ اپنے ہمعصروں کے علاوہ شاہ حاتم میر سوز۔ مرزا سودا۔ میر تقی میر کے کلام پر بھی جابجا اعتراض کیے ہیں۔ ایک مرتبہ سبحان قلی بیگ راغب کے اصرار سے رنگین نے میاں نصیر کے ایک مطلع میں ایک لفظ بدل دیا۔ اس کی خبر میاں نصیر کو پہنچی تو وہ رنگین سے آزردہ ہو گئے اور بڑی مشکل سے ایک مدت کے بعد صفائی ہوئی (دیکھو مجلس یازدہم)

رنگین ریختی کے موجد تھے۔ بعض لوگوں نے عادل شاہی دور کے ایک قدیم دکنی شاعر ہاشمی بیجاپوری کو ریختی گو کہا ہے۔ ہاشمی غزل میں ہندی شاعری کے طرز پر عورت کا عشق مرد کے ساتھ دکھاتا تھا لیکن ریختی حقیقت میں ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں عورتوں کی زبان اور اُن کے مخصوص محاورات استعمال کیے جائیں۔ اس تعریف کو پیش نظر رکھ کر ہاشمی دکنی کو ریختی گو کہنا مشکل ہے۔ رنگین نے ریختی کا ایک پورا دیوان تصنیف کیا تھا جس میں قصیدے۔ مثنویاں۔ غزلیں۔ رباعیاں۔ قطعے۔ مخمس اور مستزاد بھی تھے۔ اُن کی ریختی کی غزلیں ان کی زندگی ہی میں دور دور تک مشہور ہو گئی تھیں اور خوشی کے جلسوں میں گائی جاتی تھیں۔

ریختی کے علاوہ ہزل کہنے کا بھی ملکہ تھا۔ مگر ہزل میں اکثر فحش بھی شامل کر دیتے تھے

ان کی چند غزلیں اور چند متفرق غزلیہ اشعار اس کتاب میں موجود ہیں۔ ان میں جہاں کہیں فحش الفاظ تھے وہ حذف کرکے ان کی جگہ نقطے دیدیے گئے ہیں۔۔

رنگین کو ہندی شاعری میں کچھ زیادہ دخل تو نہ تھا لیکن کبھی کبھی کبت اور دوہے بھی لکھ لیتے تھے

رنگین کا حافظہ بہت قوی تھا اور ہزاروں شعر یاد تھے۔ ایک مرتبہ اُنھوں نے اپنے شاگردوں کے بہت سے شعر زبانی پڑھکر سنا دیے یہ تمام شعر جو تعداد میں ۹۴ ہوتے ہیں آخری مجلس میں درج ہیں

رنگین منصف مزاج آدمی تھے۔ جہاں وہ دوسروں کے کلام پر بے دھڑک اعتراض کر دیتے تھے وہاں اپنے کلام پر اعتراض سن بھی سکتے تھے۔ صحیح اعتراض کو تسلیم کر لیتے تھے۔ اور اگر کوئی مناسب اصلاح دیتا تو اُسکو مان بھی لیتے تھے۔ اگر کسی کا شعر اُن کے شعر سے اچھا ہوتا تھا تو اسکو تسلیم کر لیتے تھے۔ لیکن صاف گو اتنے تھے کہ اگر اپنے شعر کو کسی کے شعر سے بہتر سمجھتے تھے تو اُس کے منہ پر صاف صاف کہدینے میں تامل نہ کرتے تھے۔

رنگین نے ہندوستان کے اکثر شہروں کی سیر کی تھی جن شہروں کا ذکر اس کتاب میں آیا ہے انکی فہرست کتاب کے آخر میں درج ہے۔ مکہ کے سفر کا بھی ارادہ کیا تھا اور کلکتہ سے جہاز پر سوار ہوئے تھے۔ مگر اُس زمانہ میں بحری سفر میں ہزاروں مصیبتوں کا سامنا ہوتا تھا۔ رنگین کو کھانے پینے کی بھی بہت تکلیف ہوئی اور وہ خارش کے مرض میں مبتلا ہو گئے۔ کلکتہ سے مدراس تک پہونچتے پہونچتے ایسے اپنی زندگی سے بیزار ہوئے کہ یہ مطلع اپنے حسب حال کہا۔

دم آیا ناک میں اس آوارہ زادی کے جینے سے ۔ طبیعت تو بھی بہتر ہے بیماری کے جینے سے

جہاز کے ناخدا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ مکہ نہیں بلکہ بصرہ جائیگا۔ جو لوگ حج کے ارادے سے سوار ہوئے تھے انھوں نے بہت خوشامد کی تو اُس نے انکو پھر کلکتہ روانہ کردیا۔ رنگین کو جہاز کے سفر میں جتنی تکلیف ہوئی تھی وہ ان کے اس جملے سے ظاہر ہوتی ہے:۔

"حق تعالیٰ عذاب جہاز بکسے نصیب نہ کناد"

لکھنؤ میں رنگین اور انشا دونوں شاہزادہ مرزا محمد سلیمان شکوہ سلیمان کی سرکار میں ملازم تھے اور دونوں میں بیحد ربط ضبط تھا چنانچہ انشا نے یہ شعر اُسی زمانے کی یاد میں کہا ہے ؎

عجب رنگینیاں ہوتی تھیں تب باتوں میں اے انشا ہم اُن میں بیٹھتے تھے جب سعادت یار خاں اور ہم

اس کتاب میں جہاں کہیں "مرشد زادہ" "یا مرشد زادہ آفاق" کے الفاظ آئے ہیں وہاں یہی شاہزادہ مرزا سلیمان شکوہ مراد ہیں۔

آخری مجلس میں رنگین نے اپنے دس شاگرد بتائے ہیں اور ان میں سے نو کے نام بھی دیے ہیں جو ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

(۱) میر سید علی غمگین
(۲) بسنت سنگھ نشاط۔
(۳) آفتاب خاں منیر۔
(۴) محمدی خاں (تخلص نہیں دیا)۔
(۵) راجہ کدار ناتھ نسیم۔
(۶) راجہ شنکر ناتھ صبا۔
(۷) ایک عورت ہما۔
(۸) آدم بیگم بیغم۔

(۹) عزیز طوائف عزیز

اس کتاب میں رنگین کی تین اور تصنیفوں کا ذکر آیا ہے جن کے نام یہ ہیں۔

(۱) مثنوی شہزادہ مہ جبین و رانی سری نگر نازنین۔ یہ اردو زبان میں ایک عشقیہ مثنوی ہے اس کے چند شعر مجلس دوم میں نقل کیے گئے ہیں۔

(۲) مثنوی تاجر اصفہانی۔ یہ مثنوی فارسی زبان میں ہے اور سبحان قلی بیگ راغب کی فرمایش سے تصنیف کی گئی تھی اسکے چند شعر مجلس بست وسوم میں درج ہیں۔

(۳) ایجاد رنگین۔ اس میں بہت سی حکایتیں ہیں جو اردو میں نظم کی گئی ہیں مجالس رنگین میں بعض حکایتوں کی شان نزول متفرق مقامات پر درج ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ تینوں کتابیں مجالس رنگین سے پہلے تصنیف ہو چکی تھیں رنگین بہت سی کتابوں کے مصنف تھے انکی تصنیفات کا اچھا خاصہ ذخیرہ لندن میں انڈیا آفس کے کتبخانہ میں محفوظ ہے۔ فہرست تصانیف مقدمہ کتاب کے بعد لگادی گئی ہے۔

رنگین کے بارے میں اس کتاب سے جو کچھ معلوم ہو سکتا ہے وہ لکھا جا چکا۔ اب وہ متفرق باتیں لکھی جاتی ہیں جن کا ذکر صرف ضمناً آگیا ہے اس لیے ان کے نظر انداز ہو جانیکا خوف ہے ان باتوں کے ذکر میں کوئی خاص ترتیب ملحوظ نہیں رکھی جا سکتی۔

(۱) ایک ستہ فوج میں بارہ ہزار سوار ہوتے تھے اور ایک کمپو میں سات آٹھ ہزار سپاہی ہوتے تھے۔

(۲) رنگین کے زمانہ میں امیروں کے یہاں پُر تکلف دعوتوں کے بعد ناچ گانا بھی ضرور ہوتا تھا۔

(۳) اس زمانہ میں نواب آصف الدولہ فرمانروائے اودھ کی شاعری کی شہرت دُور دُور تھی۔ اُن کی غزلیں اتنی مقبول تھیں کہ ارباب نشاط ان سے خوشی کی محفلیں گرم کرتے تھے۔

(۴) میمیں یعنی انگریز عورتوں کو اس زمانہ کے لوگ بی بی صاحب کہتے تھے۔

(۵) اس زمانہ میں دستور تھا کہ جب کسی گہرے دوست کو اپنا بھائی بنانا چاہتے تھے تو اپنی پگڑیاں بدل لیتے تھے۔

(۶) اس زمانہ میں شاعری کا بڑا چرچا تھا۔ دہلی کے شاعروں کو خاص اعزاز و امتیاز حاصل تھا۔ لوگ میر اور سودا کی شاعری کے بہت معترف تھے۔ میاں نصیر کی مشاقی کا سکہ بھی دلوں پر بیٹھا ہوا تھا اور بعض لوگوں کا خیال تھا کہ اُردو شاعروں میں تہ دار۔ دقیق اور مشکل شعر کہنے والا میاں نصیر کا سا کوئی اور نہیں ہے۔

(۷) اس زمانہ میں جہاز پر سفر کرنیوالوں کو بڑی تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ رنگین نے اسوقت کے جہازوں کی شکل صورت۔ لمبائی۔ چوڑائی وغیرہ کا تفصیلی ذکر مجلس پنجاہ و ہفتم میں کیا ہے۔

(۸) تیمور شاہ والئ کابل نے ۱۲۰۳ھ میں اسدیار خاں دُرّانی کو اپنا ایلچی بنا کر تحفے تحائف ساتھ کرکے شاہ عالم بادشاہ دہلی کے پاس بھیجا۔ وہ تین مہینے تک دہلی میں مقیم رہے

جب رخصت ہونے لگے تو شاہ عالم نے رنگین کے والد طہماس بیگ خاں کو اپنی طرف سے ایلچی بنا کر اس ملک کے تحفوں کے ساتھ انکے ہمراہ کابل بھیجا۔ بادشاہ نے طہماس بیگ خاں کو ہدایت کر دی تھی کہ وہ مہاراجہ پٹیل بہادر کے پاس ہوتے ہوئے جائیں جو ان زمانہ میں دو لاکھ سواروں کے ساتھ راجپوتانہ کی مہم میں مصروف تھے۔ اس سفر میں رنگین اور انکے تین بھائی محمد یار خاں۔ حق وردی خاں۔ اور خدا وردی خاں بھی اپنے والد کے ہمراہ تھے۔ رنگین لکھتے ہیں کہ جب ہم لوگ دہلی سے روانہ ہو کر کوٹا بوندی کے نواح میں پہونچے تو دیکھا کہ تمام ملک مرہٹوں کی تاخت سے بےچراغ ہو گیا ہے اور ہزاروں مرہٹہ سوار قزاقی کر رہے ہیں۔

مجالس رنگین کا جو نسخہ میرے کتبخانہ میں ہے وہ ۱۲۶۲ھ میں "مطبع محمدی" میں چھپا تھا۔ ایک نسخہ محترمی جناب پنڈت منوہر لال صاحب زتشی کے کتبخانہ میں بھی موجود ہے مگر وہ بھی اسی مطبع اور اسی سنہ کا چھپا ہوا ہے۔ لندن میں انڈیا آفس کے کتبخانے میں اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ خود مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا موجود ہے جس کی تاریخ تحریر ۹ جمادی الاولی ۱۲۳۱ھ ہے۔ ایک قلمی نسخہ اور بھی ہے مگر اُن تک میری رسائی نہیں۔ بہرحال اسکا کوئی دوسرا ایڈیشن یا کوئی قلمی نسخہ مجھے دستیاب نہیں ہوا۔ اس لیے اسکا مقابلہ نہیں کیا جا سکا۔ لیکن یہ نسخہ بہت صاف خوشخط اور صحیح چھپا ہوا ہے۔ ایسے مقامات جو کسی قدر مشتبہ ہیں دو تین سے زیادہ نہیں ہیں۔ مجلس بست و کیم میں "بادشاہ عالم شاہ" چھپا ہوا تھا۔ موجودہ ایڈیشن میں اس

اُن کی جو غلطی کو دور کر دیا اور اُس کی جگہ شاہ عالم بادشاہ لکھا ہے۔ بعض اشعار میں سے غلط الفاظ کا کر کے ان کی جگہ صحیح الفاظ رکھ دیئے ہیں اور ترتیب کتابت زمانۂ حال کے مطابق کر دی ہے۔ اس کے سوا متن کتاب میں کوئی تغیر نہیں کیا گیا ہے

سید مسعود حسن رضوی۔ ادیب

۱۴ / اگست سنہ ۱۹۲۵ء



تصنیفاتِ رنگین



رنگین بہت سی کتابوں کے مصنف تھے۔ انھوں نے اپنی تصنیفات کو کئی مجموعوں میں تقسیم کرکے ہر مجموعے کا ایک نام رکھ دیا تھا۔ مثلاً "مثمنِ رنگین" "خمسۂ رنگین" "شش جہت رنگین" "سبعۂ سیارۂ رنگین" "نو رتن رنگین"۔ ان کی اکثر کتابیں خود ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی لندن میں "انڈیا آفس" کے کتب خانہ میں موجود ہیں انکی فہرست ذیل میں درج کیجاتی ہے

(۱) دیوان ریختہ ۔ پہلا دیوان
(۲) دیوان ریختہ ۔ دوسرا دیوان
(۳) دیوان آمیختہ ۔ ہزلیات
(۴) دیوان انگیختہ ۔ ریختی
(۵) مجموعۂ رنگین ۔ سات زبانوں میں سے قصائد غزلیات وغیرہ کا مجموعہ ۔
(۶) مجالس رنگین
(۷) امتحان رنگین
(۸) اخبار رنگین چشم دید واقعات نظم میں ۔
(۹) ایجاد رنگین ۔ حکایات منظوم
(۱۰) عجائب و غرائب رنگین
(۱۱) شہر آشوب ۔

(۱۲) کہاوتہائے رنگین۔
(۱۳) حکایات رنگین
(۱۴) چہار چمن رنگیں۔ اس کتاب میں چار باب ہیں
اول در معاد۔ دوم در معاش سوم در ظرافت
چہارم در تصوف۔
(۱۵) نظم رنگین۔ سو حکایتوں کا مجموعہ۔
(۱۶) داستان رنگین۔ سرگزشت آغا عزیز
سوداگر گجرات۔
(۱۷) جنگ نامۂ رنگین۔
(۱۸) نصاب رنگین۔
(۱۹) مثنوی فارسی بطرز مثنوی مولانائے روم
(۲۰) تصنیف رنگین
(۲۱) گلدستۂ رنگین۔
(۲۲) سبحۂ رنگین۔
(۲۳) رنگین نامہ۔
(۲۴) ساقی نامۂ رنگین۔
(۲۵) تجربۂ رنگین۔
(۲۶) کلام رنگین۔
(۲۷) فرس نامۂ رنگین۔ جس کا دوسرا نام "اسپ نامہ" ہے۔
(۲۸) قوت الایمان۔ عقائد اسلام میں۔
(۲۹) قصیدہ قادریہ کا منظوم ترجمہ۔
(۳۰) قصیدہ "بانت سعاد" کا منظوم ترجمہ۔
(۳۱) سوداؔ کا ایک قصیدہ رنگین کی اصلاح و ترمیم کے ساتھ۔

ان کتابوں کے علاوہ ایک مجموعۂ انتخابات بھی ہے جس میں رنگین کی کئی کتابوں کے انتخابات کے علاوہ ایک مثنوی بنارس کی تعریف میں اور مفتوں، نثار، میرؔ اور ذوقؔ کے پانچ مطلعوں کی تضمینیں بھی شامل ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بعد حمد داور دادار و نعت احمد مختار صلی اللہ علیہ وآلہ الاطہار واصحابہ الکبار این چند نکات خادم الشعرا سعادت یار خان رنگین ولد محکم الدولہ طہماسپ بیگ خان بہادر اعتقاد جنگ بمعرض تسطیر درآورده نارسائی ذہن بر جستران نقود معانی روشن کرد واگرچہ گمان ہیچ کمالے ندارد امّا از فیض صحبت بزرگان فی الجملہ از شعر و شاعری بہرہ بر داشتہ بقول حضرت سعدیؒ ۔ نظم

گِلے خوشبوے در حمام روزے رسید از دست محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری کہ از بوے دلاویز تو مستم
بگفتا من گِلے ناچیز بودم ولیکن مدتے با گل نشستم
کمالِ ہمنشیں در من اثر کرد وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

روزے از روزہا در عہد شاہ عالم بہادر پادشاہ عالم غازی سنہ ۱۲۱۵ مطابق ہجری دو ہزار و صد و پانزده بتاریخ غرّہ رجب در لکھنؤ بندہ و مرزا نعیم بیگ صاحب کہ برادر خاص مہربان و بسیار دوست بندہ اند و برادر صاحب مہربان انشاء اللہ خان صاحب

که انشا تخلص می فرمایند و برادر خواندهٔ بنده اند و نواب معتمد الدوله صوفی آله یار بیگ خاں بهادر شهامت جنگ که برادر کلان حقیقی بنده اند و مرزا حاجی بیگ صاحب و میر گدائی صاحب وغیره باهم نشسته بودیم بنده ذکر صحبتهاے گذشته که با شعرا اتفاق افتاده بود بفصاحت کلامی بیان می نمود که در فلاں مکان چنیں اتفاق شده و در فلاں شهر ایں واردات گذشته بود مرزا نعیم بیگ صاحب از راه مهربانی فرمودند که اگر ایں تقریر را مع نظم و نثر بر چند اوراق بنگارند یادگار بماند چرا که بفضل الٰهی نقادی فکر ایشاں بآں مرتبه رسیده که در کلام اکثر دخل معقول را سزاوار شدند و قدرت بدیهه گوئی زیاده از حد پیدا کرده اند گفتم مرزا صاحب علم اصلا ندارم اگر نوشتم چه تکلف پیدا خواهد کرد نظم من چنیست که نثر خواهد بود بقول فردوسی طوسی ؎

تو کار زمیں را نکو ساختی　　　که با آسماں نیز پرداختی

فرمودند که در نظم خود نامے پیدا کرده اند نثر هم بنویسند مطلب از عبارت نیست مدعا از مدعا ست بقول سعدی ؎

وصف ترا گر کنند ور نه کنند اهل فضل　　　حاجت مشاطه نیست روی دلارام را

گفتم شوق شعر البته دارم لیکن مزاج بطرف باریکی مائل افتاده انچه که خود نظم کرده ام هرگاه بچشم باریکی و نگاه عداوت غور مینمایم بیشترے معنی لوچ معلوم میشود و صدها قباحت دست بسته حاضر می گردند کاش ایں قدر سعی و نگاه عداوت

قول شخصے که گفته

محبوب این م آں چہ رُں و زر و شن لب و برنش   چو دیدم عیب خود و بینی بستم چشم و شب کردم

میر انشاء اللہ خاں فرمودند کہ ضرور باید نوشت و نام این نسخہ مجالس رنگیں باید نوشت
ہرگاہ ہر یک مجوز این امر گردید ناچار بپاس خاطر آنہا چند مجلس از نظم و نثر بہ نوک
قلم در آوردہ نام این نسخہ مجالس رنگیں نہادم توقع کہ پسند رائے راست پسنداں گردد

مجلس اوّل (در شاہجہان آباد)

از پنجاہ سال معمول حضرت شاہ حاتم شاہ بود کہ ہمیشہ چہار گھڑی روز باقی ماندہ
در تکیۂ شاہ تسلیم شاہ کہ پائین قلعہ مبارک ست تا شام نشستہ میماندند اکثر شاگردان
و مردم دیگر کہ در خدمت اوشان بندگی داشتند آں وقت آنجا رفتہ حاضر میشدند
چنانچہ بندہ ہم شاگرد اوشاں بود روزے در ایام نومشقی ہماں تکیہ در خدمت
شاہ صاحب موصوف بندہ و محمد اماں خاں نثار ولد مکندرائے فارغ و مرزا
اکبر علی اکبر وغیرہ چند شاگردان دیگر حاضر بودیم حضرت شاہ صاحب فرمودند
امشب مطلع گفتہ ام۔

سر کو شانہ بھی سینہ کبھو کوٹا ہے   رات ہم ہجر کی دولت سے مزا لوٹا ہے

چونکہ در مزاج پالا کی بسیار بود و شعور کم بے تکلف از راہ نادانی گستاخانہ عرض
کردم کہ اگر مصرعہ ثانی این قسم ارشاد شود بہتر ست۔ ع

سر کو ٹپا ہے کبھو سینہ کبھو کوٹا ہے   ہم نے شب ہجر کی دولت سے مزا لوٹا ہے

بمجرد شنیدن ایں دست بندہ را قریب خود کشیدہ دست بر سر گردانیدہ فرمودند کہ آفریں صد آفریں۔ انشاء اللہ تعالیٰ بعد چندے مشق ایشاں بسیار ترقی خواہد کرد ایں مثل از زبان ارشاد فرمودند۔

"ہون ہار بروے کے چکنے چکنے پات"

شخصے از حاضران مجلس اظہار کرد کہ ایں قدر گستاخی لازم نبود فرمودند کہ واللہ در دیوان ہمیں قسم خواہم نوشت و ایں قطعہ بر زبان آوردند۔

من و آں سادہ دل کہ عیب مرا ہمچو آئینہ روبرو گوید
نہ چو شانہ بصد زبان دو رو پس سر رفتہ موبمو گوید

مجلس دوم

در ایامے بہ شاہجہان آباد روزے مثنوی شاہزادہ مہ جبیں و رانی سری نگر نازنین کہ تصنیف بندہ ہست روبروئے برادر صاحب مہربان مرزا سبحان قلی بیگ راغب میخواندم بجائے رسیدم کہ مہ جبیں تصویر رانی را دیدہ بیہوش شدہ بود۔

دیکھنے سے ہوا جو عشق کا جوش گر پڑا ہو کے مہ جبیں بیہوش
سن کے یہ دوڑے سب صغیر و کبیر غش کی کرنے لگا ہر اک تدبیر
کوئی بولا کہ کیوڑا لاؤ کوئی بولا گلاب منگواؤ
گھس کے صندل کوئی سنگھانے لگا بید مشک آ کوئی پلانے لگا

اوشاں فرمودند کہ در شعر آخر غلطی محاورہ است یعنی صندل را می چسپانند کہ می پایند
پس ایں را ایں قسم باید نوشت ؎

گھس کے صندل کوئی لگانے لگا   بیدِ مشک آ کوئی پانے لگا

گفتم راست فرمودند لیکن بر در دسر محاورہ چسپانیدن بر زبان می آرند و در غش پائیدن
استعمال می نمایند ایں را شنیدہ فرمودند کہ از حق نباید گذشت راست تقریر نمودند

مجلس سوم

در شاہجہان آباد برادر صاحب مرزا سبحان قلی بیگ راغب برادر صاحب
سید انشاء اللہ خاں و بندہ بہ حسب اتفاق برائے سیر دریا بر گھاٹ نگمبود رفتہ بودیم
دریا را در کمال طغیانی دیدہ مرزا سبحان قلی بیگ بدیہہ ایں مصرع فرمودند۔

عشق کے دریا کا عجب پاٹ ہے

بمجرد خواندن اوشاں فی الفور مصرع ثانی بہم رسانیدہ گفتم کہ مطلع حق من است

عشق کے دریا کا عجب پاٹ ہے   تا ملے کس کو کدھر گھاٹ ہے

ایں شنیدہ ہر دو صاحبان تحسین و آفریں کردند۔

مجلس چہارم

بہ شاہجہان آباد در مجلس شادی شخصے ابندہ و برادر مرزا سبحان قلی بیگ و دیگر

مردم بسیار نشسته بودیم ذکر رباعیات فارسی بود هر یکی رباعی خوب از هر یک استاد میخواندند مرزا موصوف فرمودند که استاد من یعنی مرزا باقر مرحوم بہادر جنگ خود نوشته اند که بهتر ازین رباعی ممکن نیست۔

مجنوں بہوائے روئے لیلے در دشت | در دشت بجست وجوئے لیلے می گشت
می گشت ہمیشه بر زبانش لیلی | لیلی می گفت تا زبانش می گشت

گفتم واقعی رباعی بسیار نادرست لیکن دو جا قافیه می گشت بر یک معنی نشست یا فته معنی دیگر در عقل نمی آید سبب چیست چوں ہمه صاحبان غور فرمودند معنی دیگر سوائے گردیدن از می گشت پیدا نشد بنده گفت که یک جا معنی می گشت گردیدن ست و بجائے دوم شاید مراد این ست یعنی تا که با قید حیات بود این را شنیده ہمه صاحبان پسند فرمودند بعد ازاں بنده بقدر حوصله خود بدیہه این رباعی در زبان ہندی بہمان طرز عرض کردم لیکن در آں مضمون لیلی و مجنوں بود بنده مضمون شیریں فرہاد بست

فرہاد کو شیریں جو بہت آتی یاد | یاد اُسکی میں اپنے دل کو رکھتا وہ شاد
شاد اُسکا ہمیشه ذکر رکھتا اُسکو | اُس کو کر یاد شاد رہتا فرہاد

بعد استماع ایں حاضران مجلس مجوزایں امر گشتند که چند رباعی دیگر از مشق سابق [illegible] ہمیں تہا [illegible] ایں چند رباعی خواندم۔

زاہد ہی اک وضع پہ گذاراتہوا | گذرا جو کچھ وہ پھر دوبارہ نہوا
[illegible] رہتا تہ چاہا اُس سے | چاہا اُس کا ہوا ہمارا نہوا

دیگر

رنگیں نیکی سے ہاتھ ہم نے دھویا　　اور تخمِ بدی کو کشتِ دل میں بویا
جو عہد کر آئے تھے وہ ہم سے نہ نبھا　　افسوس کہ زندگی کو یونہیں کھویا

دیگر

زاہد کہتا ہے بت پرستی کو چھوڑ　　راہب کہتا ہے دل سے مستی کو چھوڑ
رنگیں کہتا ہے تو نہ سن دونوں کی　　تجھ سے جو ہو سکے تو ہستی کو چھوڑ

دیگر

رنگیں دل کس طرح کسی کو دیجے　　اور ہاتھ میں کیونکر دل کسی کا لیجے
ہرگز نہیں دنیا میں کسی کا کوئی　　کس کے ہو رہیے کس کو اپنا کیجے

دیگر

رنگیں کوشش میں تو نے تقصیر نہ کی　　وہ کام نہیں کہ جس کی تدبیر نہ کی
لیکن افسوس ہے کہ ناداں تو نے　　کچھ خانۂ آخرت کی تعمیر نہ کی

دیگر

اے موجبِ عیش و کامرانی پھر آ　　اے باعثِ لطفِ زندگانی پھر آ
میں بلبل بن تیرے چمن خزاں میں ذلیل　　پھر آ تو اے مری جوانی پھر آ

مجلس پنجم

دنیا جہان آباد رونے بجانے برادر صاحب نواب بہادر بیگ خاں کہ نایب

تخلص میفر بایند وارد شدیم اوشان غزل خود روبروے بندہ خواندند حسن مطلعش این بود

نیمے کے بند واکر ساغر کو تو پیا کر　　عالم شراب کا ہے اور بے حجابیاں ہیں

بندہ را این شعر بسیار پسند آمد بدیہہ در جواب این مطلع عرض کردم و در مقطع مصرع او

اوشان تضمین نمودم ؎

کس مست کی نگہ کی یہ بد شرابیاں ہیں　　اوندھے پڑے ہیں ساغر ٹوٹی گلابیاں ہیں

لو بے جھٹ کے بے رنگیں بقول غالب　　عالم شراب کا ہے اور بے حجابیاں ہیں

شخصے از حاضران مجلس گفت کہ مضمون مطلع بعینہٖ مطلع مرزا رفیع است گفتم کدام است

این مطلع خواند ؎

ساقی چمن میں کس کی ہیں یہ بد شرابیاں　　ٹوٹی پڑی ہیں غنچوں کی ساری گلابیاں

گفتم سوائے قافیہ مضمون دیگر نیست و بر قافیہ حکومت کسے پیش نمیرود سرقہ این را

میگویند کہ حضرت مرزا رفیع فرمودہ اند شعر فارسی از کدام اُستاد این بود ؎

بہار بے سپر جام یار می گذرد　　نسیم ہمچو خدنگ از کنار می گذرد

آں را اوشاں این قسم فرمودہ اند ؎

بہار بے سپر جام یار گذرے ہے　　نسیم تیر سی چھاتی کے پار گذرے ہے

و شعر دیگر از کدام استاد این بود ؎

آلودہ بقطرات عرق دیدہ جبین را　　اختر ز فلک می نگرد روے زمین را

آں را اوشان این طور فرمودہ اند ؎

آلودہ قطرات عرق دیکھ جبیں کو — اختر پڑے جھانکیں ہیں فلک سے زمیں کو

ایں را شنیدہ تجالت کشیدہ عذر ہا خواستند۔

مجلس ششم

در شاہجہاں آباد بصیرے خاں کہ آشفتہ تخلص میفرمایند وھرمان بندہ اند۔ روزے غزل خود روبروے بندہ میخواندند دو سہ جا دخل گستاخانہ کردم ازانجا کہ بسیار منصف اند و تکلف در مزاج ندارند قبول فرمودند حسن مطلع آں غزل ایں بود۔

پنڈت پر چھوات کھاؤ تال بجاؤ کوئی پر — بخت جو ہوں برگشتہ اپنے کس کے پھیرے پھرتے ہیں

گفتم ہموز مصرع اوّل لفظ کوئی پر بے مصرف است اگر ایں قسم فرمایند بہتر باشد ؎

پنڈت پر چھوات کھاؤ تال کھاؤ جو چاہو کیا — بخت جو ہوں گشتہ اپنے کس کے پھیرے پھرتے ہیں

و مقطع ایں بود ؎

جوگ تجا آشفتہ ہم نے دیکھ لٹک ان زلفوں کی — خوار و پریشاں گلیوں گلیوں بال بکھیرے پھرتے ہیں

اظہار کردم کہ از لفظ جوگ تجا شعر بے معنی می شود بسبب اینکہ تجا بمعنی گذاشتن است پس اگر جوگ را گذاشتند از کدام چیز خوار و پریشاں می گردند باید گفت کہ ؎

جوگ سجا آشفتہ ہم نے دیکھ لٹک ان زلفوں کی — خوار و پریشاں گلیاں گلیاں بال بکھیرے پھرتے ہیں

بسکہ راست پسند و دوام راستی پیشہ اوشان است فرمودند کہ مرا عکس ایں معلوم بود گفتم خیر غرض ہر جا کہ دخل کردم بے قیل وقال از راہ منصفی قبول فرمودند۔

مجلس ہفتم

در شاہجہاں آباد بہ محفل پسر حضرت میر سید صاحب مرحوم یعنی میر سید علی کہ شاگرد بندہ اند و غمگیں تخلص میفرمایند وارد بودم او شاں ایں مطلع میاں جرأت اخواندند و بہ بندہ فرمودند کہ چیزے بدیہہ بگوئید۔ سہ

گھر جو یاد آیا کسی کا اپنے گھر میں آن کر
چپکے چپکے روتے ہیں منہ پر دوپٹا تان کر

فی الفور ایں مطلع و حسن مطلع عرض کردم و بعد چند روز غزل تمام نمودم۔

یوں کہوں اُسکو کہ آیا ہوں یہ جی میں ٹھان کر
چین دے مجھ کو کہیں اپنے خدا کو مان کر

بازگشتی تیر ہے پھر کر یہ تیرا دیکھنا
صدقے تیری اس ادا پر سے مجھے قربان کر

کھوئی غفلت میں جوانی دیکھ پیری ہیں تو
صبح صادق ہو گئی چلنے کا کچھ سامان کر

سوچ جی میں میرے ہوتے غیر کو گردن نہ مار
قتل کرتا ہے تو کر ظالم و لے پہچان کر

دیکھ مجھ کو دور سے دینے لگا تھا گالیاں
جی میں کیا گذرا تھا کل تیرے ادھر تو دھیان کر

آج جو آنا ہی نہیں آنا تو دے مجھکو جواب
بھیج کر پیغام جھوٹے روز مت حیران کر

دل بغل سے لیگئی رنگیں وہ دزدیدہ نگاہ
ورنہ دل دیتا ہے کون اپنا کسی کو جان کر

مجلس ہشتم

در شاہجہاں آباد روزے در دیوان خانہ برادر صاحب مسیح الزماں حکیم محمد اشرف خاں کہ حکیم تخلص ہم میفرمایند و بندہ را برادر خواندہ اند حکیم ثناء اللہ خاں فراق و اشخاص چند

گرم اختلاط بودیم خاں صاحب موصوف فرمودند کدام غزل بخوانید بموجب ارشاد این غزل خواندم۔

کبھی تم میرے مقتل پر اگر آتے تو کیا ہوتا | اور اُس جا اشک آنکھوں میں جو بھر لاتے تو کیا ہوتا
کھا بیٹھے پان تنے غیر کو کل اپنے ہاتھوں سے | جو غیرت کھا کے ہم کچھ کھا کے مر جاتے تو کیا ہوتا
اندھیری رات ہے ساون کی چھاجوں مینھ برستا ہے | اکیلا اُسکو ہم اس وقت گر پاتے تو کیا ہوتا
وہ آیا تھا یہاں اے حسرت دل بھول کر شب کو | جو تم اس وقت پہلو سے نہ چل جاتے تو کیا ہوتا
وہاں اپنی ہی اپنی پر چلگئی لے ہمدم جا کر | کوئی مطلب کی میرے بات فرماتے تو کیا ہوتا
نصیحت رات دن ناصح کیا کرتے ہو ناحق تم | اُسے بھی ایک دن تم جا کے سمجھاتے تو کیا ہوتا

دلائیں گالیاں غیروں سے لاکھوں تنگ رنگیں کو
بھلا اُس وقت وہ جی سے گذر جاتے تو کیا ہوتا

چوں این غزل را تمام کردہ این حسن مطلع غزل دیگر روبروے او شاں خواندم۔ ؎

ترے گل تکیوں کے خاطر یہی لازم ہے کہ ہو | ایک تو شمس کا اور ایک قمر کا تکیہ

ثناء اللہ خاں صاحب فرمودند کہ بعینہ شعر من ست گفتم ارشاد شود این شعر خواندند ؎

ترے گل تکیوں کی خاطر تو اب اے راحت جاں
یہ مناسب ہی کہ ہو شمس و قمر کا تکیہ

عرض کردم کہ بندہ شعر آں قبلہ نشنیدہ بود توارد شدہ است لیکن شعر بندہ خوب است چونکہ کمال منصف اند فرمودند بجا است۔

مجلس نہم

در شاہجہاں آباد روزے بسنت سنگھ کہ نشاط تخلص می فرمایند و شاگرد بندہ اند نزد بندہ آمدہ ایں مطلع حضرت میر تقی صاحب خواندند ؎

یوں نہ کرنا تھا پائمال ہمیں
خوش نہ آئی یہ تیری چال ہمیں

و اظہار نمودند کہ جوابش ایں بندہ ہم غزل گفتہ مطلعش ایں ست ؎

گھر سے اپنے نہ تو نکال ہمیں
یوں جو چاہے تو مار ڈال ہمیں

گفتم بسیار خوب مطلع ست دریں اثنا آدم بیگم صاحب کہ بیغم تخلص مینمایند و از بندہ اصلاح میگیرند آمدہ کاغذ بدست بندہ دادو دراں ایں غزل برائے اصلاح نوشتہ بودند

ملتا ہی نہیں سراغ دل کا
ہے عرش پر اب دماغ دل کا

گر عشق میں بیکلی نہ ہووے
سرسبز رہے یہ باغ دل کا

یہاں آتش ہجر سے شب و روز
دہکے ہے پڑا او جاغ دل کا

ہے بادۂ غم سے تیرے ظالم
لبریز مرا ایاغ دل کا

ہے مغتنمات سے تو بیغم
بخشے تجھے حق فراغ دل کا

و بعد غزل نوشتہ بودند کہ امروز ایجابندہ ایں مطلع انشاء اللہ خاں را بر یک کتاب نوشتہ دیدہ بودم ؎

کیا فائدہ خالی جو ملاقات کی ٹھہرے
تب خوش ہو مرا دل کہ جب اُس بات کی ٹھہرے

ایجابندہ در جواب ایں مطلع گفتہ است ؎

خالی ہی اگر اُس سے ملاقات کی ٹھہرے — کافر ہو جو پھر چاہے کہ اُس بات کی ٹھہرے
پس لازم کہ اصلاح نمودہ در جواب غزل و مطلع آں صاحب ہم فکر نمودہ بزنگار زد بند
فی الفور بر پشت ہماں کاغذ ایں غزل نوشت ۔

تا حشر رہے یہ داغ دل کا — یارب نہ بجھے چراغ دل کا
ہم سے بھی تنک مزاج ہے یہ — پاتے ہی نہیں دماغ دل کا
اُس رشک چمن کی یاد میں ہے — شاداب ہمیشہ باغ دل کا
جلنے کی یہاں ہیں اُسکو لذت — جس شخص کو ہے فراغ دل کا
معلوم نہیں کسی کو رنگیں — دے کون ہمیں سراغ دل کا

درجواب مطلع ایں قطعہ نوشتم ۔

اک پردہ نشیں دیکھ کہا دل نے کہ رنگیں — کیا خوب ہو گر اس سے اشارات کی ٹھہرے
نوبت جو اشارات تلک پہنچی تو وہ ہیں — اُسنے یہ کہا حرف و حکایات کی ٹھہرے
جب حرف و حکایات بہم ہونے لگے خوب — بولا کسی طرح ملاقات کی ٹھہرے
مدت میں ملاقات میسر جو ہوئی ہے — اب دل یہی کہتا ہے کہ اُس بات کی ٹھہرے

مجلس دہم

در شاہجہاں آباد روزے بخانہ میرزا سبحان قلی بیگ آغب رقم بمجرد رسیدن بندہ
فرمودند کہ دیروز شخصے یک نقل رو برو ایجانب کردہ بود تمام شب در فکر نظم آں بودم

اتفاق نشد گفتم نثر آں ارشاد شود نقل کردند کہ یک شخص رند مشرب بسیار مفلس بود روزے بز شخصے را ذبح کردہ خورد یکے از دوستان او گفت کہ شرم از خدا و ترس از روز جزا نداری فردائے قیامت چہ جواب خواہی داد گفت منکر خواہم شد مالک بز در انجا شاہد از کجا خواہد آورد کہ مرا دروغ گو خواہد کرد آں شخص گفت کہ مالک بز از تو درخواست بز خواہد کرد و بز حاضر شدہ از زبان خود اقرار خواہد کرد کہ مرا ذبح کردہ بود مرد رند گفت ہر گاہ کہ مالک بز دعوی بز خواہد کرد و بز حاضر خواہد بود پس چہ غم ست گوش بز گرفتہ بدست مالک آں خواہم سپرد و خواہم گفت کہ مال خود بگیرید ہر گاہ ایں نقل تمام شد گفتم واقعی قابل نظم کردن ست و دوات و قلم و کاغذ حاضر بود در عرصہ سہ چہار گھڑی ایں قسم نظم کردم۔

شخص تھے ایک رند وضع لیاقت تھے مفلس کمال　　کھا گئے وہ ایک کی بکری کو کرکے حلال
اُنکے جو رنگیں تھے یار آکے اُنھوں نے کہا　　سنتے ہو اے مہرباں تم کو یہ لازم نہ تھا
رندوں کے مشرب میں خوب ہی تم چھا گئے　　مال تھا بیگانہ وہ کیوں اُسے تم کھا گئے
خوف قیامت کا کچھ رکھتے نہیں آہ تم　　روز جزا سے کہو کیا نہیں آگاہ تم
روز قیامت کو جب ہونے لگیگا حساب　　مجھ کو بتاؤ تو کیا دوگے تم اسکا جواب
سُن کے وہ بولا کہ یار میں تو مکر جاؤنگا　　اور مکر کر دیں جھوٹی قسم کھاؤنگا
کوئی بھلا اُسکا وہاں ہوویگا شاہد کہاں　　جھوٹا کریگا وہ شخص مجکو بھلا کیونکہ وہاں
اُسنے کہا سُن رکھو بکری ہی وہاں آئیگی　　حال کہے گی وہ سب اور تمہیں مکرائیگی

پھر وہ کہیگی یہی میں تو نہ تھی تیرا مال   تو نے بھلا کس لئے مجکو کیا تھا حلال
اسکا جو مالک ہے وہاں وہ بھی کھڑا ہوویگا   مانگیگا تم سے اُسے اور کڑا ہوویگا
بولے جو اس بات میں ہے نہیں کچھ بیش و کم   تو تو پھر اس بات کا کیجیے ہرگز نہ غم
کیونکہ جو مالک کے پاس آویگی بکری کھڑی   تو تو مصیبت نہ کچھ مجھ پہ پڑے گی بڑی
بکری کے دونوں جھپٹ کان پکڑ لونگا میں   ہاتھ میں مالک کے بس جلدی سے پھر دونگا میں
اور یہ کہونگا کہ لے حق ترا پہنچا تجھے   ہان بس اللہ کو پھر نہ ستانا مجھے

مجلس یازدہم

در شاہجہان آباد بخانہ مرزا سبحان قلی بیگ راغب بندہ و دو سہ شخص دیگر نشستہ بودیم یکے گفت کہ شعر صاف دیگرے اظہار کرد کہ شعر تلاش دستہ دار و دقیق معنی دار خوب میباشد و بندہ را منعت نمودند گفتم کہ اکثر در تذکرہ ہا دیدہ ام قدما تعریف شعر صاف نوشتہ اند ایں شعر خاقانی و حضرت شیخ سعدی شیرازی کہ مکرر در تذکرہ ہا دیدہ بودم عرض نمودم ؎

همسایہ شنید نالہ ام گفت   خاقانی را دگر شب آمد
سعدی از داغ جگر سینہ مکش   کشتہ روزن آتشکدہ را

و اظہار نمودم کہ انتہائے شعر اینست کہ صاف باشد چرا کہ عام فہم و خاص پسند میشود سوائے ایں در شعر صاف غلطی محاورہ و اصطلاح و بیمعنی نمیگردد سبب اینکہ در فہم

ہر کس معنی شعر بآسانی می آید آنچہ درآں خوبی و قباحت می باشد جلد دریافت میگردد آنجاست کہ شعر صاف گفتن دشوار ست و در شعر دقیق کہ قباحت می آید مردم عام قصور فہم خود دانستہ بپرسیدن مدعا خاموش میمانند و مردم خاص از شبہہ می دانند کہ بجاے خود استعارہ کردہ خصوصاً در شعر ہندی کہ دقیق باشد بمردم فہمیدہ جلد قباحت دریافت نہ می شود وجہ ایں کہ دریں زبان کار لغات نیست شعر صاف ضرورست حاضران مجلس فرمودند کہ کدام غزل صاف بخوانید تا ازاں معائنہ شود ایں غزل خواندم۔

عشق میں تیرے میرا رنگ زعفرانی ہے
ضعف ہی رفیق اپنا یار ناتوانی ہے

کس سے میں کہوں یہ بات دل نہیں ملا ہیہات
اُس گلی میں ساری رات خاک میں نے چھانی ہے

آئیگا وہ یہاں شب کو مجھسے تو کہے ہے جو
نامہ بر قسم کھا تو اُس کی یہ زبانی ہے

دیکھیو یہ قامت ہے یا بلا ہے آفت ہے
قد نہیں قیامت ہے قہر آسمانی ہے

کہہ چکا ہوں میں سو بار یار و مت کرو تکرار
اُسکی ابروے خمدار تیغ اصفہانی ہے

یوں کہے ہے وہ بیڈھنگ تیغ کو چٹا کر سنگ
کیجیے تجھے چورنگ اب یہ جی میں ٹھانی ہے

ہمنشیں نہ کر تاخیر جلد کر مری تدبیر
ہے جنوں گریباں گیر عالم جوانی ہے

کب تلک رہوں جیتا اُس بن اے دل صد چاک
زندگی ہی اپنی خاک خاک زندگانی ہے

سُن کے اُسنے رنگیں آہ تیرا قصۂ جانکاہ
ہنس کے یوں کہا اے واہ زور یہ کہانی ہے

مرزا سبحان قلی بیگ فرمودند کہ دریں ایام در شاہجہان آباد بلکہ در دیگر جا ہا نیز رایمان نصیر

صاحب کسے شعر ہندی تہ دارد دقیق و مشکل نیکوید گفتم بے دریں کار یگانہ زمان و بے بدل روزگار اند فرمودند کہ مطلع اوشاں میخوانم چیزے قباحت اگر بتوانند بر آرند گفتم مشق اوشاں ایں قسم نیست کہ دراں جائے سخن باشد و سوائے ایں در خدمت اوشاں بندگی دارم چوں اوشاں قسم دادہ ایں مطلع خواندند۔

چرائی چادر مہتاب شب میکش نے جیحوں پر
کٹورا صبح دوڑانے لگا خورشید گردوں پر

تا چار شدہ گفتم کہ ایں مطلع بہ از مطلع آفتاب ست لیکن مرا دریں تامل ست کہ چادر مہتاب را میکش بر جیحوں چگونہ وزدید اگر بجائے میکش لفظ بادل نہند البتہ بہتر بود۔

چرائی چادر مہتاب شب بادل نے جیحوں پہ
کٹورا صبح دوڑانے لگا خورشید گردوں پہ

سبب این ست کہ ہر گاہ ابر بر او می آید البتہ چادر مہتاب نمی ماند گویا وزدیدہ میشود بطور لطیفہ عرض کردم مضمون از عالم بالا و دزد بر زمین یعنی چہ قصہ زمین بر سر زمین مضمون عالم بالا را دزد ہم آسمانی بایستے شخصے ایں سخن میاں نصیر صاحب سانیدہ اوشاں شنیدہ از بندہ آزردہ خاطر شدند بارے بہزار خرابی در چند مدت تصفیہ نمودم

مجلس [۱۲] دوازدہم

در شاہجہان آباد سید احمد میر خاں کہ صوبہ دار بودند بر بندہ کمال التفات میفرمودند روزے در خلوت اتفاق شعر خوانی بود فرمودند کہ شخصے شعر مرزا جلال اسیر را خواندہ بود مصرع اول از خاطر رفتہ عرض کردم مصرع آخر ارشاد شود فرمودند۔

از قضا ایں قدر نہ می آید

بمجرد شنیدن عرض کردم ۔

دلبر من بسر نہ می آید　　از قضا ایں قدر نہ می آید

بعد عرض کردن بندہ فرمودند کہ حالا یاد آمد مصرع اوشان ایں بود ۔

دلستانم بسر نہ می آید　　از قضا ایں قدر نہ می آید

عرض کردم کہ بجد آنجناب و بہ کلام اللہ قسم ست کہ اگر از کسے شنیدہ باشم یا بجاے نوشتہ از نظر گذشتہ باشد فرمودند کہ اگرچہ مضمون توارد ست لیکن تکلف ایں لفظ کہ دلبر گفتہ اند بدلے لفظ بر از دلستاں خوب ست آفریں صد آفریں عرض کردم کہ از راہ پرورش ارشاد میشود

مجلس[۱۳] سیزدہم

در سہارنپور برفاقت نواب غلام قادر خاں بودم نواب موصوف در عالم طفولیت با بندہ دستار بدل شدہ بودند شعر ہندی خوب میفرمودند تخلص فرخ میفرمودند در ابتدا بندہ را شوق شعر خوانی و شعر گوئی از صحبت اوشاں شدہ بود مرزا عبد الکریم بیگ کہ مردم کاشغر و اتالیق اوشاں بودند روزے ایں مطلع غنی کشمیری را خواندند ۔

درون آشیاں از بیضہ تا من سر بر آوردم　　ز تیر غمزۂ بیداد خوباں پر بر آوردم

گفتم مرزا صاحب در شعر استاداں دخل بیجا کردن بیجا ست لیکن حرف خوب بخاطر گذشتہ فرمودند ارشاد شود گفتم ۔

درون آشیاں از بیضہ تا من سر بر آوردم　　ز تیر غمزۂ بیداد کیشاں پر بر آوردم

لفظ کیشاں برائے تیر غمزہ پر مناسب ست از انجاکہ مرزائے موصوف بر بندہ مہربانی فرمودند بسیار پسند فرمودند۔

مجلس[۱۴] چہاردہم

در پرگنہ نہ بندہ و محمد خاں صاحب کہ بہار تخلص می فرمایند و پسر عمو صاحب مراد بیگ خاں یک جا باچندکس نشستہ بودیم ذکر بدیہہ گوئی بمیاں آمد شخصے گفت کہ بدیہہ گفتن امر دشوارست برادر موصوف فرمودند کہ سعادت یار خاں در بدیہہ گوئی دستگاہ خوب دارند آں شخص گفت کہ بارے مصرع ثانی ایں ہم سانید

ع۔ راز دل را بکس نباید گفت

شخص مذکور ہنوز تمام نہ کردہ بود کہ جواب دادم۔ ۃ

راز دل را بکس نباید گفت — گر بود ہمنفس نباید گفت

مجلس[۱۵] پانزدہم

در فیروز پور جھرکہ بندہ و مصطفےٰ خاں پسر مراد بیگ خاں و دیگر چند مغل قزلباش باہم نشستہ بودیم یکے از آنہا کہ علی رضا بیگ نام داشت مرد اصفہانی بود و شعرائے اُستاداں بسیار یاد داشت از کنایہ بہ بندہ گفت کہ یک شعر خوب از اُستاد یاد آمدہ ست یک مصرع آں بتو ام آنجناب ہم شعر بگویند بارے مصرع ثانی برائے آں بفرمایند

مصرع اولش ایں ست۔

چہ می پرسی ز من حال دل غمدیدہ ات چوں شد

گفتم در فارسی دستگاہ چنداں ندارم مصرعہ بدیہہ میتوانم کہ بہم رسانم لیکن ایں قدر چیزی کہ مصرع اُستاد داشتہ باشد معلوم گفت علی قدر حال خود چیزے ارشاد شود کہ مدعا از امتحان ست گفتم۔ ؎

چہ می پرسی ز من حال دلِ غمدیدہ ات چوں شد
بہ شوقِ فندقِ پایت سرشکِ دیدہ ام خوں شد

گفت بارک اللہ بدیہہ خوب ارشاد کردید اگرچہ اُستاد مصرع ثانی بسیار عمدہ دارد لیکن بخونِ جگر بہم رسانیدہ باشد و آں صاحب فوراً ارشاد کردند گفتم مصرع ثانی اُستاد ہم ارشاد شود تا حظے ببرم گفت۔ ؎

چہ می پرسی ز من حال دل غمدیدہ ات چوں شد
دلم خوں گشت و خونم آب و آب از دیدہ بیروں شد

گفتم واقعی مصرع ثانی لاثانی ست گفت از مشق سابق خود کدام غزل فارسی بخوانید ایں غزل خواندم۔

ہر زماں وصلِ پری رخساری خواہد دلم
وصل می خواہد دل و دلداری خواہد دلم

تا ز اُستادِ محبت درسِ عشق آموختم
سنگِ طفلاں بر سرِ بازار می خواہد دلم

چشم زخمے بر جگر ہرگز ندارد آرزو
زخمہا زاں ابروِ خمدار می خواہد دلم

تا ز رمز قصۂ فرہاد و قیس آگاہ گشت — دشت خار و دامن کہساری خواہد دلم
شوخ گفت از ناز میخواہد دلت چندان مرا — گفتمش اے دلربا بسیاری خواہد دلم
تا کہ آگہ از کمال زاہد و راہب شدم — رشتۂ از سبحہ و ز ناری خواہد دلم

کرد خوں رنگیں دلم را مصرع استادہ
یار می خواہد دلم چوں یار می خواہد دلم

مجلس شانزدہم

در پرگنہ باول کہ مع ہشتاد و چہار دہ در جاگیر قبلہ گاہ صاحب بود وارد بودم و بر دختر قصاب آنجا بقول سعدی یعنی در ایام جوانی چنانکہ افتد و دانی حالت عشق داشتم چوں بعد چندے وصل آں میسر آمد اصلاً شہوت نشد سبب اینکہ از پارچہا ے آں بوے بیدی می آمد کہ در نوشتن نمی آید ہر چند تردد کردم چیزے بعمل نیامد فی الفور این مطلع گفتم

ہست بل بس کنم و کنم — گیر چہ یار ہمہ چوں کنم

مجلس ہفدہم

در کانوڑ برفاقت نواب نجف قلی خاں بودم نواب موصوف مرزا جعفر را بہ شاہجہان آباد رخصت فرمودند بندہ را مع دو صد سوار ہمراہ اوشاں نمودند چوں

بہ شہر ریواڑی رسیدند راجہ آنجا کہ سترسین نام داشت بکمال تیاری ضیافت کرد بعد فراغت طعام صحبت رقص شد نواب مرزا جعفر فرمایش کردند کہ کدام غزل بخوانید رقاصہ این غزل نواب وزیر الممالک آصف الدولہ خواند

جہاں تیغ اُس کی علم دیکھتے ہیں وہاں اپنا سر ہم قلم دیکھتے ہیں

یکے از مصاحبان اوشان گفت کہ این مطلع محمد امان خان نثار درین زمین خوب ست

جدھر بھر نظر یہ صنم دیکھتے ہیں اُدھر لاش پر لاش ہم دیکھتے ہیں

شخصے دیگر گفت کہ برین مطلع مرزا رفیع ہم خوب ست

گدا دست اہلِ کرم دیکھتے ہیں ہم اپنا ہی دم اور قدم دیکھتے ہیں

مطلع شخصے دیگر خواند

تجھے کفش پہنے جو ہم دیکھتے ہیں تو دشمن کو زیر قدم دیکھتے ہیں

نواب موصوف بہ بندہ فرمودند ایشان ہم برین فکر نمایند عرض کردم کہ این وقت طبع بطرف رقص مائل ست فرمودند عذر بیجا ست رقص را موقوف کنانیدند ناچار این غزل نوشتم۔

رقیبوں سے اُسکو بہم دیکھتے ہیں یہ ظلم اپنی آنکھوں سے ہم دیکھتے ہیں

لگانے بھی دے ہاتھ ابرو کو اپنے ہم اس اصفہانی کا خم دیکھتے ہیں

نہیں ہم سے وہ دل رہا اب تمھارا وہ باتیں بہت اب تو کم دیکھتے ہیں

جو ملتا ہو اُس سبزہ خط سے ہم اُسکا قلم کی طرح سر قلم دیکھتے ہیں

بتوں کا ہمیں ظلم بھاتا ہے ناصح — ستم اُن سے گو دم بدم دیکھتے ہیں
جلومت عبث تم بھلا پھر تمہیں کیا — جو کچھ دیکھتے ہیں سو ہم دیکھتے ہیں
کبھی وصل کی شب کا تھا دید رنگیں
جن آنکھوں سے اب یہ ستم دیکھتے ہیں

مجالس[۱۸] بیستم

در لشکر نارنول نواب اسمعیل خاں بہادر فرود آمده بودند بنده برفاقت ایشاں بود روزے برادر محمد یار خاں و بنده برائے سیر و زیارت درگاه نظام الدین نارنولی سوار شدیم در راه شخصے از برادر مذکور آشنائی داشت دو چار شد گفت کہ در اجمیر فقیر از اصحاب شنیده مشتاق ملاقات بودم به حسب اتفاق ملاقات میسر آمد فرمائشے دارم کہ بجا آرید گفتم بچشم گفت کہ مصرع نواب آصف الدولہ شنیدم امید مصرع دگر دارم از کسے جا بہم نرسیده گفتم بخوانید گفت ع

نہ لگی آنکھ جب سے آنکھ لگی

بعد یک ساعت مصرع بہم رسانیدم ؎

اب کی کچھ اور ڈھب سے آنکھ لگی — نہ لگی آنکھ جب سے آنکھ لگی

ایں را شنیده بسیار پسند کرد و اظہار نمود کہ چیزے از مشق قدیم باید خواند ایں چند مطلع کہ سر دست یاد بودند در زمین رواروی بر زبان آوردم۔

جو نالہ رات کو لب سے نہ ہٹ گیا ہوتا — تو ساتھ آہ کے سینہ بھی پھٹ گیا ہوتا

تو جو کہتا ہے کہ گھر جائیں گے ہم — تیرا کیا جائیگا مر جائینگے ہم

آ تجھ بغیر مملکت دل اُجاڑ ہے — چھاتی پہ رات ہجر کی کالا پہاڑ ہے

بیٹھنگی صحبت اُس سے کس طرح کچھ کہہ نہیں سکتے — وہ ہرجائی ہے اور بن شغل ہم بھی رہ نہیں سکتے

بچھڑنے کی شہر میں ہم سے وہاں پھر گئی — تیرے پھر جاتے ہی بس ساری خلق پھر گئی

وہاں تو وہ گھر سے کم نکلتا ہے — اور یہاں اپنا دم نکلتا ہے

آ دیکھے تو آن جاتی ہے — جو نہ دیکھے تو جان جاتی ہے

مجلس نوزدہم ۱۹

در یکے روز حسب اتفاق بندہ و محمد یار بیگ سائل کہ بعد منعم تخلص میفرمودند نشستہ بودیم و صحبت شعر گرم بود بندہ این مطلع خواندہ

یوں سرشکِ مژہ اب شام و سحر جھڑتے ہیں — شاخ پر میوے جس طرح ثمر جھڑتے ہیں

محمد یار بیگ سائل اظہار کردند کہ مضمون منست گفتم شعر خود بخوانید این شعر خواندند

شاخ کو کوئی ہلاوے تو ثمر جھڑتے ہیں — اپنی ہر جنبش مژگاں سے گہر جھڑتے ہیں

گفتم بندش شعر بندہ معقول ست سبب این کہ از ہر شاخ ثمر نمیریزد مگر ہر شاخ کہ پر میوہ باشد اتصاف شرط ست ہر گاہ کہ قائل شدند مطابق آں این نقل روبروئے اوشاں کردم کہ بندہ این شعر گفتہ بود

مجھے جو اس پر پرونے طلب گار اپنا جاتا ہے — چھڑک کر کیوں نہ بیچے اب خریدار اپنا جاتا ہے

شخصے بہ بندہ گفت کہ این مضمون را انشاء اللہ خاں دانستہ این قسم بستہ اند

دل کو رکھ کر پنجۂ مژگان تر پر بیچیے — یعنی اپنا مال ہے اس کو چھڑک کر بیچیے

گفتم از بندش بندہ بندش اوشاں خوب ست سبب اینکہ برائے لفظ پاشیدن آب یعنی چھڑک لفظ پنجۂ مژگاں نیز بسیار مناسب بدست آمدہ است از حق نباید گذشت پس ضرورت کہ از ہر کس مضمون بستہ شود ما اکنوں ہمانست خواہ توارد باشد خواہ دانستہ

مجلس بستم

در حضرت اجمیر روزے نواب قدرۃ اللہ خاں پسر نواب قاسم خاں این مطلع شیخ سعدی را روبروے بندہ خواندند۔

سروِ سیمینا بصحرا میروی — نیک بدعہدی کہ بے ما میروی

از راه اختلاط گفتم که اگرچه بے ادبی ست لیکن حرف خوب بخاطر گذشته است۔

سرو سیمینا بہ گلشن می روی | نیک بدعہدی کہ بے من میروی

دراں مجلس مغل تازہ ولایت کہ چنداں از ذائقۂ شعر آگاہی نداشت و از شعر گفتن بندہ نیز اطلاع نداشت گفت کہ امروز دریافت شد کہ آں صاحب شعرہم می گویند بارے کدام غزل فارسی از تصنیف خود بخوانید ایں غزل خواندم

دوست یکسو خود ز دشمن کیں نمیخواہیم ما | خاطرے از ما برنجد ایں نمیخواہیم ما
کوچۂ دلدار ما را بہر آسایش بس ستا | کشور ایران و ملک چیں نمیخواہیم ما
مژدہ باد اے زاہد و راہب کہ از روز ازل | بندۂ عشقیم و کفر و دیں نمیخواہیم ما
رہروان منزل عشقیم و در سیر کردش | توسن گردون دون را زیں نمیخواہیم ما

جامۂ عریانی ما فخر صوف و اطلس ست
زینت از بہر خود اے رنگیں نمیخواہیم ما

ایں را شنیدہ مجوز شد کہ غزل دیگر بخوانید ناچار بپاس خاطر یاراں چند شعر دیگر خواندیم

دل بلائیست کہ من میدانم | مبتلائیست کہ من میدانم
کس چہ داند کہ میان من و او | ماجرائیست کہ من میدانم
نقش آلست بنائے ہستی | ایں بنائیست کہ من میدانم
دلبر سے عشوہ گر سے بحکلیے | میرزائیست کہ من میدانم
در حق مغبچگاں پیر مغاں | پیشوائیست کہ من میدانم

چشم میگونش ادائے دارد　　چه ادائیست که من میدانم
نیست آسان گذر از دهر کاین　　تنگنائیست که من میدانم
خاکساری بجهان اے رنگین　　کیمیائیست که من میدانم

مجلس[۲۱] بیست و یکم

در کابل شاه جیجاه تیمور شاه در[۲۲] ۱۲۰۳ه دوازده صد و سه هجری اسد یار خان[۲۳] درانی را که مالک یک و ستّه یعنی دوازده هزار سوار بود و قابلیت و دانائی از حد زیاده داشت ایلچی کرده مع تحفه و تحائف آنجا نزد پادشاه عالم شاه فرستاد خان موصوف بعد از ملازمت حضور سه ماه در شاهجهان آباد مانده رخصت کابل خواست پادشاه والد بنده را مع تحفجات این ملک ایلچی فرموده همراه مشار الیه رخصت فرمودند بنده برادر محمد یار خان و حق وردی خان و خدا وردی خان نیز همراه روانه شدیم لیکن از حضور پادشاه ارشاد شد که نزد وکیل مطلق یعنی پٹیل صاحب که از دو لاک سوار هم راجپوتانه در پیش دارد شده بروند و مهاراجه پٹیل بهادر حکم حضور رسید که باید ولت طهماس بیگ خان را نزد شاه تیمور شاه روانه فرمودیم آنچه از اسباب دیگر درکار داشته باشند سرانجام کرده دهند هرگاه از شاهجهان آباد روانه شده به نواح کوٹا بوندی رسیدیم تمام ملک از تاخت مرہٹا بے چراغ شده بود هزارها سوار مرہٹا قزاقی می کرد روزے اسد خان به والد بنده گفت که در راه خطره بسیار است لازم که از راجه این ملک مردم بطریق بدرقه همراه

بایدگرفت بنده اظہار کرد که جمعیت مایاں ہم کم نیست احسان ناحق برداشتن چه ضرور خان موصوف برآمد سخن ایں شعر خواند ؎

سپے پیر مرو تو در خرابات　　　　ہر چند سکندر زمانی

حاصل ازیں شعر بود یعنی در راہ مخاطرہ بے بدرقہ رفتن از دانائی بعید ست بندہ گفت که لفظ خرابات دریں مقام بے مصرف ست اگر ایں قسم بخوانند بہتر باشد ؎

سپے پیر مرو براہ ظلمات　　　　ہر چند سکندر زمانی

لفظ ظلمات ازیں سبب مناسب ست که ہرگاہ سکندر قصد ظلمات کرد فرمود که مرد پیر ہمراہ نرود جوانے از پدر پیر خود عشق داشت پدر را در صندوق کردہ ہمراہ برد چوں نزد ظلمات رسیدہ پادشاہ حیران شد که ہرگاہ و تاریکی رفتم چگونہ از ہماں راہ خواہم گشت ہر کسے تدبیر آں بقدر حوصلہ خود عرض میکرد تشفی پادشاہ نمی شد مرد جوان صورت حال رو بروے پدر بیان کرد پیر تدبیرے آموخت که پسند پادشاہ آمد و ازاں راہے یافت پس اگر شاعر دریں مقام لفظ ظلمات بجاے خرابات می نوشت خوب می کرد نیز لفظ ظلمات براے سکندر پر مناسب ست اسد اللہ خاں بسیار پسند کرد و آفرینہا نمود

مجلس بست و دوم ۲۲

در گوالیار ہندو راؤ مرہٹا یک کمپو که عبارت از ہفت ہشت ہزار سپاہی ست به برادر صوفی آلہ یار بیگ خاں دادہ بود و یک سالہ سواراں ہمراہ بندہ بود مرزا کھو بیگ

کہ شور تخلص میفرمودند با بندہ بسیار ربط دوستی میداشتند واز باعث زور طبیعت کسے را بجا طرحی آور دند و در یک زمین غزل دہ پانزدہ میگفتند وگاہے بپاس خاطر وگاہ از ترددل اصلاح یک دو غزل میگرفتند لیکن اکثر جا از راہ زبردستی و سختی سخن معقول راہم قبول نمیفرمودند روزے در درگاہ محمد غوث گوالیری نزد بندہ نشستہ بودند پنج شش غزل خود بکمال آب وتاب خواندہ فرمودند کہ غزلہا را ہمیں وقت گفتہ آوردہ ام واگر بخواہم ہشت غزل دیگر ہمیں قسم بگویم گفتم درست ارشاد میشود لیکن غزل مشکل اگر در یک سال ہم شود کمال غنیمت ست شرطیکہ مشکل باشد وخوب شود بندہ یک غزل بقید حروف کہ از الف تا یا ست در سہ ماہ بہزار خرابی باتمام رسانیدہ ام فرمودند کہ اینجانب در سہ گھڑی درجواب آں غزل نوشتہ میدہم گفتم اگر در سہ سال جواب آں غزل نویسانید دہند بندہ شاگردی قبول کند گفتند بخوانید من این غزل را خواندم ۔

اگر آ آفت بھبوکا بل پری پیکا قبا خاصی ۔۔۔ تبر تختہ ٹھمک ٹھوکر ثناثابت حیا خاصی
جبیں جادو چلا واچھل حیا حیرت خجستہ خو ۔۔۔ دھواں ذہاں ڈکا ذاتی رسیلا رخ صفا خاصی
زنخ زیبا ستم سینہ شرر شوخی صفا صورت ۔۔۔ ضرورت ضد طرح طوفاں ظفر ظالم جفا خاصی
عجب عشوہ غضب غمزہ فسوں شدق قیامت قد ۔۔۔ کمر کافر گلو گلگلوں لچک لاکھوں ادا خاصی

مژی مژگاں نگہ ناوک وفا وہ کچھ ہنسی ہی ہی
یمن یاقوت لب پر صحتے اور نگیں حیا خاصی

بعد شنیدن این غزل فرمودند کہ واقعی بکمال صنعت و بطرز نو گفتہ اند سخت مشکل ست لیکن

من خواہم گفت بندہ مجبور شد و دو چہار گھڑی فکر کردند ہیچ بعمل نیامد مہلت سہ روز خواستہ بجاے خود تشریف بردند بعد پنج شش روز کہ ملاقات شد تقاضا کردم فرمودند کہ از خیال رفتہ بود غرض چند ماہ گذشت ہمیشہ میفرمودند کہ فرصت نیست قصہ کوتہ قریب یک سال گذشت بعد یک سال در جنگ قلعہ چرگانو کہ قریب کالپی ست در حملہ اول بکمال مردانگی شہید شدند کمال تاسف شد حق تعالی غریق رحمت کند۔

مجلس بست و سوم

در کوہ روزے روبروے برادر صوفی اللہ یار بیگ خاں مثنوی پسر تاجر اصفہانی کہ در شاہجہان آباد بموجب فرمایش برادر سبحان قلی بیگ راغب تصنیف نمودہ بودم عرض نمودم بجاے رسیدم کہ پسر تاجر اصفہانی تباہی کشیدہ بنارس رسیدہ در آنجا از سوداگر دیگر ملاقی شد سوداگر مذکور احوال آں پرسید کہ از کجائی و چہ نام داری۔

بگفتا او کہ یا ما چلیستی تو — چہ نامی و زکجائی کیستی تو

نخستیں نام پاکت زود بر گو — وزاں پس حالت خود سربسر گو

بگفتا مولدم از اصفہان ست — زنام و جاہ من آگہ جہان ست

عباد اللہ مرزا نام دارم — ہمیشہ با تجارت بود کارم

حساب مال من بیروں ز حد بود — شمار دولتم بیروں ز عد بود

حضرت نوا • فرمودند کہ اگرچہ شاعر نیستم لیکن قافیہ یک شعر خوب بخاطر

رسیدہ عرض کردم ارشاد شود فرمودند کہ ایں قسم باید گفت ؎

حساب مال من بیروں ز حد بود　　شمار دولتم افزوں ز عد بود

عرض کردم کہ از حق بنایہ گذشت واللہ بسیار لفظ عمدہ ارشاد شد سبب اینکہ شعر دو صنعت پیدا کرد یکے اینکہ شعر ذو قافیتین شد و دوم برائے شمار لفظ عد بسیار مناسب ست ہماں وقت در دیوان نوشتم۔

مجلس بست و چہارم

در فرخ آباد مرزا مغل علی خاں و میاں حیدر کہ حیدر تخلص می نمودند و مرزا بر یک جا نشستہ بودم بندہ تعریف شاعری برادر انشاء اللہ خاں نمود و میاں حیدر فرمود کہ ایں جانب در لکھنؤ رونسے بخدمت اوشاں حاضر گردید عرض کرد کہ چیزے از مشق خود در برے آں قبلہ میخوانم بنظر اصلاح باید شنید چنانچہ یک سلام و دو سہ غزل خواندم چندجا اصلاح فرمود مرا از خاطر اوشاں امتناعی گفتم لیکن چیزے تشفی نشد چراکہ ندو انست من براں اشعار ا جائے دخل نبود گفتم بخیال آں صاحب نیامدہ باشد در ہر شعر کہ اوشاں سیر مودہ باشد پر مناسب خواہد بود بقول سعدی ؎

شعر گفتن بہ زور سفتن بود　　لیک فہمیدن باز گفتن بود

باز عرض کردم کہ آں صاحب ہماں اشعار را بخوانید در ہر جا کہ اوشاں گرفت سخن کردہ باشند انشاء اللہ تعالیٰ بندہ ہماں عرض خواہد کرد اول ایں سلام خواندم ؎

اے سعادت یاب درگاہِ خدا لیجو سلام ۔ قرۂ حقیائے دیدۂ خیر الوریٰ لیجو سلام

اے نبی کے جانِ دل قرے فاطمہ کے نورِ عین ۔ ورثہ دار حضرتِ مشکل کشا لیجو سلام

ہرگاہ بریں شعر رسیدند گفتم در ورثہ دار دخل فرمودہ باشند گفتند بلے پس لفظ ورثہ دار چہ قباحت دارد گفتم ورثہ داراں را میگویند کہ نزد ہر کس اسباب ورثہ امانت باشد در ورثہ دار و وارث بسیار فرق ست قائل شدہ ایں غزل شروع نمودند ؂

ہے کہاں اب تو اے مسیحا دم ۔ یاد آتا ہے وہ ترا عالم

ہجر میں تیرے ہم پہ کیا گذری ۔ تجکو معلوم کچھ ہوا اے صنم

ہرگاہ ایں شعر خواندند گفتم در لفظ ہوا اے صنم دخل فرمودہ باشند گفت ایں چہ بدی دارد گفتم لفظ اے از تنگی نشست یافتہ غرض دو سہ جاے دیگر آنچہ اوشاں فرمودہ بود یعنی بے کم و کاست عرض کردم بوجہ احسن تشفی شد مقبول شدند ۔

مجلس بست و پنجم

در لکھنو بندہ و برادر انشاء اللہ خاں در سرکار مرشد زادۂ آفاق میرزا محمد سلیمان شکوہ کہ سلیمان تخلص میفرمایند ملازم بودیم باہم آں قدر دوستی و اخلاص داشتیم کہ در تحریر نمی آید چنانچہ ایں شعر از آنجناب ست کہ در حق بندہ فرمودہ بودند ؂

عجب رنگینیاں ہوتی تھیں تب باتوں میں اے انشا

ہم مل بیٹھتے تھے جب سعادت یار خان اور ہم

روزے خاں صاحب موصوف درحضور مرشدزادہ حاضر گردیدہ غزل ترجیع خود خواندند مطلعش ایں بود ؎

دیکھ اُسکی پری خاتم یاقوت میں انگلی
ہاروت نے کی دیدۂ ماروت میں انگلی

بدیہہ بندہ ازراہ شوخی عرض کرد کہ اگرایں مصرع بدارند شعر کمال چستی پیدا کند

بیٹھی ہے پری اپنی دیے ــــ میں انگلی

چراکہ باہم ربط بشدت بود کہ مدام شوخی از طرفین بعمل می آمد خندہا خود کردیم۔

مجلس بست و ششم[۲۶]

: درلکھنو روزے میاں جرأت صاحب درحضور حاضر گردیدہ غزل خود خواندند مطلعش ایں بود۔

کہیں رونے پہ دلا تجکو نہ دے یار نکال
صدف چشم سے مت گوہر شہوار نکال

گفتم حضرت نکال مصرع اول دریافت نمیشود کہ از خانہ یار از شہر اگرایں قسم بدارند بہتر باشد

ع۔ کہیں رونے پہ دلا گھر سے نہ دے یار نکال

ازانجا کہ میاں جرأت بسیار منصف اند کمال پسند نمودند در جواب مطلع بدیہہ ایں غزل روبروے میاں جرأت گفتم۔

مجھ پہ کیوں دوڑے ہے تو ہر گھڑی تروار نکال
قتل کی میرے نئی طرح کوئی یار نکال

اپنی گر حسن فروشی ہی تجھے ہے منظور
تو کوئی چھوٹی سی کھڑکی سر بازار نکال

واسطے بوسے کے یوں دل کو رکھا اُسکے حضو — جیسے کیسے سے رکھے زر کو خریدار نکال

عرش تک پہنچی ہر تو اب تو زیادہ اس سے — پیٹ سے پانوں نہ اے آہ شرربار نکال

جان سے جاؤنگا میں تیرا نہ کچھ جاویگا — مجھے محفل سے خفا ہو کے نہ اے یار نکال

میں جو لپٹا تو وہ گھبرا کے یہ بولے کہ سرک — چھوڑدے مجکو کسی اور پہ یہ پیار نکال

اُسکے فندق کے تصور میں کہے ہر رنگیں
کوئی لخت جگر اے دیدۂ خونبار نکال

مجلس بست و ہفتم

درلکھنؤ روزے از مرزا حاجی بیگ ملاقات شد او شان مطلع میاں جرات و مطلع مرزا جیون کہ رضا تخلص میفرمایند روبروے بندہ خواندند۔

کانوں میں اُسکے پھول نہیں ہیں گلاب کے — ٹکڑے شفق کے پہلو میں ہیں آفتاب کے

مطلع رضا۔

بسنرے ہیں اُسکے کانوں میں اس آب و تاب کے — جیسے کہ برگ سبز ہوں نیچے گلاب کے

گفتم کہ ہر دو مطلع بسیار عمدہ اند فرمودند کہ در جواب آنہا فکر باید کرد بعد تامل بہ تبدیل قافیہ ایں مطلع عرض کردم۔

موتی ہیں دونوں کانوں میں اُس خوش نگاہ کے
چمکے ہیں یا کہ تارے یہ نزدیک ماہ کے

مجلس بست و ہشتم[۲۸]

درلکھنو مرزا سبحان قلی بیگ آغب از شاہجہان آباد تشریف آوردند در دیوان خانہ میر منو صاحب مولوی میر صاحب علی و برادر انشاراللہ خاں و بندہ برائے ملاقات اوشان رفتیم بعد از پرسش احوال فرمودند شب ایں غزل گفتہ ام ع

بادۂ ناب دلم می خواہد

گفتم مصرع دوم ایں گفتہ باشید۔ ع

عالم آب دلم می خواہد

فرمودند کہ واللہ ہمیں گفتہ ام و فرمودند کہ حسن مطلع این ست۔ ع

سخت تنگ آمدم از تاریکی

گفتم مصرع ثانی ایں باشد ع

سیر مہتاب دلم می خواہد

اظہار کردند کہ باللہ ہمیں نوشتم غرض کہ ہمیں قسم از پنج شعر غزل سہ شعر را مصرع ثانی بے کم و کاست فوراً گفتم و دو شعر را مصرع ثانی سوائے نوشتہ اوشان ہم رسانیدم شخصے گفت کہ شاید اوشاں شنیدہ باشند ہر چند بندہ قسمہا یاد کرد اعتبار نہ کرد و گفت اگر مسودہ بینم یقین گردد چوں مرزا موصوف برآوردند بموجب گفتۂ بندہ دریافت کردہ تعجب نمودہ متحیر ماندند۔

مجلس بست و نہم[29]

در لکھنؤ روزے حضرت مرشد زادہ از محل برآمد نشستہ بودند ابوالحسن خاں و طالب حسین خاں و مرزا نعیم بیگ و میر انشاء اللہ خاں و بندہ و دیگر صاحبان ایستادہ بجز ابو دیم از ابوالحسن خاں و بندہ خوش طبعی بکمال شوخی بود فرمودند کہ دریں ایام ایشاں دیوان ہزل در جواب صاحبقراں کہ مشتاق ہزل اند گفتہ اند دو مطلع ایشاں یاد دارم مثل ایشاں ممکن نیست کہ از شما مثل آید بعد قطع کلام ایں ہر دو مطلع را خواند[5]

تیغ ز___ کو اپنے سینہ تاب کیجے | ہم جی میں کالی چمپا کو ہنجرا ایسا کیجے

خشخاش جوں لگی ہو کلیجے کے آس پاس | یوں گرمی دل نے پر اسکے چھ کے آس پاس

گفتم در شعر اول چہ قباحت ست کہ کسے تیغ را سینہ تاب نمیکند مگر قبضہ می شود و در شعر دوم تامل ست کہ خشخاش را بر کلیجہ می چسپانند گرہ بیش ایں ہم غلطی محاورہ است بعد آں ایں مطلع و حسن مطلع گفتہ عرض کردم کہ اگر ایں قسم شعر میشد بہتر بود۔[5]

کلو پنی ہو جیسے کلیجے کے اوپر | سینہ تل ہیں یوں اسکے ___ کے اوپر

یہ جس کا ہے پردہ دریچے کے اوپر | نہیں ___ پہ روشن کی ___ کا ابھا

پسند کردہ فرمودند کہ کدام غزل ہزل خود بخوانید ایں غزل خواندم۔

___ دہرا سیں لٹکتے ہیں ثمر کے مانند | نفس اپنا جو یہ ہے شاخ شجر کے مانند

چاک ___ ن کے کئے جیب سحر کے مانند | وہ سحر تیز ___ ہے یہ جنونی جس نے

اُنکے بھیجے میں غرض لاکھوں ہیں —ن گہر | گرز لند ہو نہیں ہیرے ذ— کے مانند
ہے وہ سانچے کا ڈھلا غس پہ میرا جسکی | جُز ہے مانند سرا ور سر ہے کمر کے مانند
تجکو دینا یہی لازم ہے کرے جھاڑ آمیٹ | — تری بہتی ہے اب دیدۂ تر کے مانند
چشم غواص — سے مرے پوشیدہ ہے | صدف — میں —ن تیری گہر کے مانند
آسکے ہر کوئی مسافر سا گذر جاتا ہے | — تیری ہے بس اک رہگذر کے مانند
تجھ پہ نازک بنی ختم ہے یہ جان یقین | برگ گل کب ہے تری — کی کمر کے مانند

شب جو منزل میں ہوا نقد — سے رنگیں
بھر گیا خانۂ — بدرۂ زر کے مانند

بعد آں مجوز شدند چند مطلع دیگر خواندم۔

یوں در — میں — جاکے یہ ناشاد ہوا | جوں قدم رکھتے ہی دروازے پہ شداد ہوا

دیگر

دھرا لوں ہیں نے شب آ — کو اسکی ناف کے اوپر | رکھے جس طرح انگلی کوئی حرف قاف کے اوپر

دیگر

— حنظلیں کی شگفتہ کیوں نہو گل کی طرح | سبز جہا — اُس پہ لہراتی ہیں سنبل کی طرح

دیگر

شست کے — یوں آئی جاکر — کی متصل | جوں پہنچ کر کوئی رہجاتے وطن کے متصل

یوں لگے ہیں ـــ اپنے نفس متوالے کے ساتھ   جس طرح سے کٹھل لگتے ہیں اک ڈالے کے ساتھ

مجلس سی ام

در لکھنؤ روزے مرشدزادہ آفاق در خلوت رقص ارباب نشاط ملاحظہ میفرمودند میر انشاء اللہ خاں و میاں جرأت و میاں مصحفی وغیرہ چند اشخاص حاضر بودند از حضور ایں مصرع ارشاد شد ع

یک قلم گشت مرا نقشۂ تصویر کسے

ہر چند صاحبان مذکور فکر نمودند کہ مصرع دوم ہم رسانند دریں اثنا بندہ رسید مجرا نمودم از حضور ارشاد شد باید کہ مصرع ثانی ہم رسانند فوراً عرض کردم ع

کرد زنجیر بپا زلف گرہگیر کسے

مجلس سی و یکم

در لکھنؤ [illegible] روزے روزگار حضرت مرشدزادہ را گذاشتہ ترک لباس کردہ اند و از عالم دنیاداری رو گردانیدند بر بندہ مہربانیہا میفرمودند روزے تشریف آوردند ارشاد فرمودند کہ برائے کار ضروری آمدہ ام عرض کردم ارشاد شود فرمودند کہ ایں وقت نزد مرزا محمد علی خاں نشستہ ذکر ایشاں مینمودم کہ شخصے از مصاحبان [illegible] میاں منتظر شاگرد میاں مصحفی اند خواند ۔

نہ تو عشق سے مجھے عشق ہے نہ تو چاہ کی مجھے چاہ ہے
وہ جو بات منہ سے نکالی تھی سو اُسی کا اب یہ نباہ ہے

مرزائے موصوف پسند کردہ فرمودند کہ شاہ صاحب تعریف رنگیں ایں قدر کردہ اند شوق ملاقات اوشاں از حد افزوں ست ہیں وقت اوشاں را بیار یدا زاوشاں در جواب ایں مطلع غزل خواہم کنانید تا امتحان شود ایں فقیر از مزاج من آگاہی داشت عرض کرد کہ نخواہند آمد اگر بفرمایند غزل از وشاں نویسانیدہ بیارم فرمودند کہ بہتر پس آمدہ گفتند ناچار بپاس خاطرش گفتم گفتم کہ غزل خاطر خواہ خود نشدہ۔

نہ تو بتکدے ہی کی چاہ ہے نہ تو کعبے پر ہی نگاہ ہے
یہ جو شخص نامہ سیاہ ہے لسے اپنے دل ہی سے راہ ہے

نہ تو کچھ کلیجے میں درد ہے نہ کچھ اپنا رنگ ہی زرد ہے
مگر آہ لب پہ جو سرد ہے تو یہ ایک ڈھب کی کراہ ہے

نہ تو معتقد ہوں میں ذات کا نہ ہے دھیان مجکو صفات کا
میں تو قائل اپنی ہوں بات کا کہ ہمیشہ جس کا نباہ ہے

نہ تو ربط مجکو ہے عام سے نہ غرض ہے کچھ مجھے نام سے
مجھے کام اپنے ہے کام سے مرا حق ہی میرا گواہ ہے

نہ تو اپنے جی کا اُسے خطر نہ ہے اپنے حال کی کچھ خبر
کرو عشق ورنگیں پہ گر نظر تو وہ کوہ اور یہ کاہ ہے

مجلس سی و دوم ۳۲

در لکھنؤ در حضور مرشد زادہ منشی میر حسین کہ تسکین تخلص میفرمایند این مطلع میاں مصحفی را عرض کردند۔ ؎

اے دامن اُٹھا کے جانے والے | ٹک ہم کو بھی خاک سے اُٹھا لے

صاحب عالم در جواب مطلع بدیہی ارشاد کردند۔ ؎

اے تاج شہی کے رکھنے والے | عقبے کے لئے بھی کچھ کما لے

من این مطلع عرض نمودم۔ ؎

دل کو کوئی کس طرح سنبھالے | یہاں جان کے پڑ رہے ہیں لالے

مرزا نعیم بیگ کہ جوان تخلص میکنند فوراً عرض نمودند۔ ؎

مت بکیو زیادہ اور جالے | ہونٹوں میں جو چاہے بڑبڑا لے

مجلس سی و سوم ۳۳

در لکھنؤ روزے بوقت دوپہر خلاف عادت در دیوان خاص رفتم دیدم کہ حضور مرشد زادہ تنہا در کمال فکر و اندیشہ نگران بجانب گلشن بودند مجرا نمودہ عرض کردم تحیر از چیست ارشاد شد کہ میخواستم کہ استراحت نمایم تا یک بیک مصراع بخاطر گذشت خواستم مصراع ثانی حسب خاطر خواہ بہم رسد اتفاق نہ شد بکمال بیقراری در فکر مصراع ثانی بودم

عرض کردم ارشاد شود فرمودند ؎

منزل عشق ہے سخت اے دلِ رنجور دراز

گفتم۔

تجھ میں طاقت نہیں مت کر سفر دور دراز

شخصے از خواصان عرض کرد کہ دریں مصراع غلطی روزمرہ است یعنی در لفظ دور و دراز واو عطف ضرور ست گفتم در بدیہہ جائز ست حضور فرمودند درست ست۔

مجلس سی و چہارم

در لکھنؤ روزے حضرت صاحب عالم در باغ فتح علی خاں کہ جائے تحفہ است برائے سیر رونق افزا شدہ بودند در اثنائے راہ ایں مطلع ارشاد شد۔ ؎

نہ تو سیر گل کا دماغ ہے نہ جہاں سے رنگ فراغ ہے

یہ جو اپنے سینے کا داغ ہے یہی گل ہے اور یہی باغ ہے

انشاء اللہ خاں و بندہ بر یک فیل ہمراہ رکاب حاضر بودیم بسیار تعریف نمودیم کہ چہا قافیہ در مطلع بکمال چستی نشست یافتہ فرمودند کہ در جواب ایں فکر باید کرد عرض کردم بشرط تبدیل قافیہ انشاء اللہ خاں ایں مطلع عرض کردند ؎

نظر اپنی اُس سے جو لڑ گئی تو وہ چتون آنکھوں میں گڑ گئی

شرد دل میں ایسی ہی اڑ گئی کہ جو بات تھی سو ٹھہر گئی

من ایں دو شعر عرض کردم ؎

یہ دل اپنا جسکا غلام ہے اجی قاتل اُسکا ہی نام ہے
اُسے ہم سے چھیڑ مدام ہے ہمیں کام اپنے سے کام ہے
مرا دم تو آیا ہے ناک میں نہیں باقی ذرہ ہلاک میں
مجھے یوں ملا دیا خاک میں ارے عشق تجھ کو سلام ہے

مجلس سی و پنجم [۳۵]

در لکھنو بہ شادی پسر رام رتن مودی پادشاہی بندہ و ابوالحسن خاں بر پشت بام نشستہ بودیم و در روبروے مجلس زن مہتاب نام طوائف واقعی بہتر از ماہ بود بکمال خوبی مجرامی نمود چوں طرف او نگاہ کردم دل از دست رفت بداہیہ ایں مطلع گفتم و بآواز بلند از بیقراری خواندم ؎

تھی شعلہ یا وہ برق کہ جی میرا جل گیا
ایسی ہی کی نگاہ کہ بس دم نکل گیا

مجلس سی و ششم [۳۶]

در لکھنو روزے بہ دربار مرشدزادہ می رفتم مرزا نعیم بیگ جوان از دربار برآمدہ می رفتند در راہ ملاقی شدند گفتند کہ ہمیں وقت مطلع گفتہ ام ؎

سینۂ صد چاک سے بینگے اُسکی ناف کے اوپر
دیے ہوں میر علی نے جیسے نقطے قاف کے اوپر

وانشاء اللہ خاں ایں مطلع گفتہ ؎
دھرا جب نقد دل ہم کھول اُسکی ناف کے اُوپر
تو پھیروں کیوں نہ ہاتھ اُس سینۂ شفاف کے اُوپر
گفتم ہر دو مطلع خوبند در مطلع سامی عین علی از تنگی نشست یافتہ اگر مناسب باشد
ایں قسم باید نوشت
رشید انے دیئے ہیں جیسے نقطے قاف کے اُوپر
پس فرمودند و گفتند کہ شما ہم دریں زمیں فکر نمائید گفتم ؎
پڑی یوں میری انگلی شب کو اُسکی ناف کے اُوپر
کہ جیسے کاف کا مرکز ہو گل کے کاف کے اُوپر

مجلس سی و ہفتم

در لکھنو روزے میاں جرأت بحضور حاضر گردیدہ ایں مطلع عرض کردند ؎
کب تک ایام جدائی میں رہوں من مارے
آئے اے کاش وہ آکر مجھے گردن مارے
در جواب از حضور ارشاد شد ؎
کاش اک کھینچ کے تیغ دم رفتن مارے
تا م جانے کا نہ لے اور مجھے گردن مارے
میر انشاء اللہ خاں ایں مطلع عرض کردند ؎
کیوں نہ وہ شوخ مجھے کھینچ کے سر ان مارے
میں نے بھی پھول کئی جانب چلمن مارے
بندہ ایں مطلع گفت و بعد آں غزل ؎
در پہ اس شوخ کے ہم بیٹھے ہیں آسن مارے
خواہ بخشے ہمیں اب خواہ وہ گردن مارے

تمامی غزل در دیوان نوشتہ است ۔

مجلس سی و ہشتم ۳۸

در لکھنؤ روزے انشاء اللہ خاں نزد بندہ تشریف آوردہ ایں مطلع غزل طرحی خود خواندند ۔

توڑونگا خم بادۂ انگور کی گردن
رکھدونگا وہاں کاٹ کے اک حور کی گردن

بندہ ایں مطلع و حسن مطلع گفت ۔

سانچے میں ڈھلی ہے یہ تری نور کی گردن
گردن کو تری پونہچے ہے کب حور کی گردن

کیا دست قضا نے یہی قسمت میں لکھا تھا
دھڑ سے نہ ملے اس ترے مغفور کی گردن

مجلس سی و نہم ۳۹

در لکھنؤ روزے صاحب عالم در دیوان خاص رونق افزا بودند منشی میر حسین و نعیم بیگ و بندہ استادہ بودیم انشاء اللہ خاں حاضر شدہ مجرا نمودند فقرہ بے نقط را بطور لطیفہ در فارسی گفتند ارادہ مسہل دارم سائل در جواب بے نقط شدند فوراً از حضور ارشاد شد کل لو میر حسین بزبان عربی بے نقط گفتند کہ اولی واحوط بندہ بزبان ترکی جواب داد کہ آل یعنی بگیر نعیم بیگ در معنی جواب بندہ فرمودند کہ صنعتے برآوردم لفظ بگیر چہار حرف از دو بے نقط و دو نقطہ دار ایں اگنگا جمنی باید گفت

مجلسِ چہلم

در لکھنؤ شنیده را از زنکه طوائف حالت عشق بود از پاس خاطر آں از صاحب خانه او ربط داشتم و نگاہے برائے دیدن او میرفتم مقدورے شود که وصل آں میسر آید و ایں راز را بکسے اظہار نکردم ہمدریں عرصه دو سال گذشت روزے از حضور اجازت رفتن از شاہجہان آباد گرفته روانه شدم برائے رخصت بخانه آں رفتم بسکه غلبهٔ شوق طالب بود بمجرد رسیدن بخانه او زار زار بگریستم بے محابا آه سرو کشیدم صاحب خانه او پرسید که حالت از بہر کیست مطلع حسب حال خود خواندم۔

دیکھتے ہی شکل سب جا آ رہا ہے یاد سے	حال دل کیونکر کہوں اُس خانہ ویراں آباد سے

او گفت درینجا از مدت تشریف می آرند نگفتند که از فلانے تعشقے دارم بعد آں ایں غزل بر دیوار خانه نوشتم۔

اب ہوئی ہمکو سخت حیرانی	چاہ چتون سے اُسنے پہچانی
نہ رہا میرے پاس پر نہ رہا	دل کی ہر چند کی نگہبانی
جی کی بات اپنے رہ گئی جی میں	یوں یہاں سے چلے ہم اے جانی
دیکھیے پھر خدا ملا دے کب	ہم کو اس نکلنے کیا خانی

جی میں انصاف کیجیے اپنے
تم نے زنگیں کی قدر کیا جانی

مجلس چہل و یکم

در لکھنؤ روزے حضرت شہزادہ در باغ لکھیڑہ فتح علی خاں رونق افزا بودند برادر صوفی اللہ یار بیگ خاں و طالب حسین و نعیم بیگ باہم نشستہ بودیم بندہ اوراق را می نوشت عوض علی بیگ کہ داروغہ اصطبل حضور بودند آمدہ اظہار کردند کہ یک شعر ابوالحسن خاں یاد بود مصرع اول فراموش شد مصراع ثانی این ست

سر کہاں فصل گل اور پاؤں ہیں زنجیر

فوراً این مصرع بخاطرم گذشت۔

اے دل دیوانہ کہہ اب کیا تری تدبیر ہے

مجلس چہل و دوم

در لکھنؤ روزے بخانہ نعیم بیگ وارد گردیدیم اوشاں اظہار کردند کہ شب یک نقل شنیدہ ام شما این را نظم کردہ دہید گفتم ارشاد شود تمامی احوال بیان کردند بندہ آنرا نظم کردہ در ایجاد رنگین نوشت۔ ع نقل کرتے ہیں مسافر ایک تھا

مجلس چہل و سوم

آباد در محفل نواب مرزا تقی نشستہ بودیم میر حسن کہ خلیق تخلص می فرمایند

پسر میر حسن بے نظیر وارد شد بندہ را از کہانی بے نظیر عشق بود بسیار صحیح و تحقیق نمودہ نوشتہ ام تاہم چند جا شبہہ داشتم از او شاں احوال چند شعر پرسیدم کہ تشفی گردد

مغرق جواہر سے اک جفت کفش ۔۔۔ نہ وہ مفت پا بلکہ پا مفت کفش

دیگر

کہا اس نے اُس سے کہ سچ سچ ہے یہ ۔۔۔ دیا چھیڑنے کو مرے بچ ہے یہ

دیگر

کھڑے اڑنے ہوتے تھے سر جوڑ جوڑ ۔۔۔ کہ جی کون دیتا ہے بد بد کے ہوڑ

دیگر

تجھے فضل کرتے نہیں لگتی بار ۔۔۔ نہ ہو تجھ سے مایوس امیدوار

گفتم معنی شعر اول دریافت نمیشود و قافیہ شعر ہم بطور دیگر یا شد البتہ آں صاحب آگاہی میدارند چیزے بہ چیزے بیان نمودند و چند جاے دیگر ہم تسلی نہ شد

مجلس چہل و چہارم

در الہ آباد بروز پنجشنبہ برائے زیارت درگاہ رفتم در آنجا یک کودکے رقص می کرد و ایں مطلع میاں مصحفی میخواند ؎

عمل کیا مرے تھے جنکے لیے جسم زار پر ۔۔۔ وہ پھول بھی نہ لائے کبھی وہ مزار پر

شگفتہ گفت بریں محمد امان نثار خوب گفتہ اند ؎

تم رات کو بھی آئے نہ اپنے قرار پر | یہ ظلم تم نے کیا کیا اس بے قرار پر
فوراً در جواب دو شعر گفتم ؎

ہم جوں چکور عشق ہیں آجی ایک یار پر | بلبل کی طرح جی نہیں دیتے ہزار پر
پابوس یار کی ہمیں حسرت ہے اے نسیم | آہستہ آئیو تو ہمارے مزار پر

مجلس چہل و پنجم

در بنارس بخدمت نواب نصیر الدین خاں پسر نواب علی ابراہیم خاں مالک عدالت آنجا بسیار بندگی داشتم روزے واجد علی خاں و حکیم جعفر و بندہ و چند اشخاص دیگر در خلوت نشستہ بودیم ہر یک در سخن گوئی دستگاہ خوب داشت نواب موصوف ذکر شاعری مرزا رفیع بر آوردند و تعریف میکردند شخصے در آں میاں کہ از بندہ کدورتے داشت سخن تا باینجا رسانید کہ مثل اوشاں ممکن نیست کہ پیدا شود گفتم کہ شاعران سابق و حال در و سر ناحق پیدا کردہ اند و گفت ؎

حریفاں بادہا خوردند و رفتند | تہی خمخانہا کردند و رفتند

گفتم ایں را ایں طور شنیدہ ام ؎

حریفاں بادہا خوردند و ہستند | تہی خمخانہا کردند و مستند

گفت کجا اند چوں مکرر تکرار کرد ایں شعر سعدی خواندم ؎

جہاں را ندار ند بے کتخدا | یکے چوں رود دیگر آید بجا

گفت ایں درحق پادشاہاں ست گفتم ایں درحق شاعراں باشد ؎

ہنوزاں ابر رحمت دُرفشان ست　　　خم وخمخانہ با مہر ونشان ست

گفت درکلام اوشاں غلطی محاورہ وخلل الفاظ اصلا نیست ولہجہ اُردوئے معلی را جلا داوہ اند وملک الشعرا گذشتہ وحکم آیت وحدیث دارد ودر اشعارہاے دیگر شاعراں چند نقصان ست گفتم مقدمہ شاعری بسیار مشکل ورطب ویابس درکلام ہمہاست ؎

شعر گراعجاز باشد بے بلند وپست نیست　　　در ید بیضہ ہمہ انگشتہا یکدست نیست

گفت ایں سواے مزار قبیح درحق شاعران دگرست ازیں سخن تاب نیاوردم وگفتم کہ مطلع ومقطع غزل اوشاں یاد دارم ؎

نگر آباد ہیں بسے ہیں گانو　　　تجھ بن اُجڑے پڑے ہیں اپنے بھانو

قیس وفرہاد کا نہیں کچھ ذکر　　　اب تو سودا کا باجتا ہے نانو

قطع نظر از لفظ نگر و تجھ بن و بھانو قافیہ مقطع را باید دید کہ نام را نانو گفتہ اندیس ایں کلام عربی وترکی نیست کہ درفہم نیاید زبان روزمرہ است گفت کہ اگر در دیوان دریک غزل از غلطی او سہو شدہ گفتم شعر دیگر یاد دارم ؎

ساق سیمیں کو تری دیکھ کے گوری گوری　　　شمع مجلس میں ہوئی جاتی ہے تھوری تھوری

گفتم بر قافیہ غور باید کرد گفت در زبان بھاکا رتے راتے میگویند وبدل میکنند گفتم دروغ گورا حافظہ نمی باشد اوشاں درزبان ریختہ غزل میگفتند یا در بھاکا مشق میکردند مطلع دیگر یاد دارم ؎

عاشق تو نامرادیاں بس اس قدر کہ ہم دل کو گنوا کے بیٹھ رہے صبر کر کے ہم

گفتم بر قافیہ ایں غور باید کرد بعد قطع کلام نواب صاحب بندہ را پسندیدند۔

مجلس چہل و ششم

در بنارس بندہ و برادر مرزا ابراہیم بیگ کہ با بندہ دستار بدل اند و شخصے چند و زنہائے طوائف نشستہ بودیم صحبت اختلاط گرم بود ازاں میاں یک زنکہ دست بندہ را گرفتہ پرسید کہ بر دست ایشاں گل برائے کیست پیش او ایں اشعار خواندم ؎

اس اپنے ہاتھ کے گل کی کہوں کیا اک کہانی ہے نشانی اسکی چھلا تھا یہ چھلے کی نشانی ہے

مجلس چہل و ہفتم

در بنارس روزے مرزا الٰہی بخش کہ از دوستان مرزا ابراہیم اند و از چندے بر فاقت مرشد زادہ ترک لباس نمودہ اند ایں مطلع میر حسن مرحوم روبروے بندہ خواندند ؎

منہ کہاں یہ کہ کہوں آیے اور سو رہیے خوب گر نیند ہے تو جائیے اور سو رہیے

در جواب ایں مطلع گفتم ؎

میری چھاتی سے لپٹ جائیے اور سو رہیے
آئیے آئیے بس آئیے اور سو رہیے

تمام غزل در دیوان ست۔

مجلس چہل و ہشتم

در عظیم آباد بخانۂ میر غلام علی خاں وارد گردیدیم در شہر شہرت شد کہ شخصے شاعر
از شاہجہان آباد آمدہ است روزے پنج شش شاعراں رسیدہ نزد بندہ نشستند
شخصے از شاگردان میر ضیاء الدین کہ صبا تخلص میکنند و مشق از مرزا رفیع دارند با پنج
چہار کس دیگر رسیدند و بمجرد نشستن فرمودند کہ در شعر دستگاہے خوب داری و اکثر در
کلام ہر یکے قباحت می برآری میخواہم کہ چیزے از ایشاں بشنوم و از کلام استاد خود
بخوانم تا در آں قباحت برآرند گفتم من عیب جوئے خلق اللہ نیستم و خود را مبتدی
می انگارم ہر چند عاجزی و کسر نفسی نمودم سود نکرد گفت از اشعار خود بخوانید غزل خواہم

ع کس رات مجھے آپ ہیں مہماں ہمارے　　کب تم نے نکالے کہو ارمان ہمارے

چوں تمام نمودم تحسین نکرد گفت مطلع میر ضیاء الدین میخوانم دراں قباحتے برآرند والا
احوال شاعری و شعر فہمی سرکار فسق ست مطلع خواند ع

بلبل کو چپکی لگ گئی اور گل بھی ہنسا بھولے　　گلشن میں کون آیا جو یہ شگوفے پھولے

گفتم مصرع آخری خوب ست گفت مصرع اول بد گفتم مصرع ثانی چیست گفت
مصرع اول سست دیدم کہ تیغ سخنم نمی برد و آتشم در ہیزم تر اثر نمیکند گفتم بلے کہ

آہن بہ آہن تواں کرد نرم

گفت چگونہ گفتم چپکی لگ گئی نہ فہمیدہ ام گفت یعنی چپ لگ گئی گفتم ایں نثر را ارشاد

می شود زبانِ اہلِ کشمیر ست گفت او در بحر چگونہ موزوں شود گفتم در خیالش نیامدہ الا

ایں طور می شد

بلبل کو لاگ گئی چپ اور گل بھی ہنسنا بھولے

باز گفت کہ شعر سرو ست بزبان آمد گفت اگر دریں شعر قباحتے بر آرند بدانم ؎

ڈبڈبائی آنکھ آنسو تھم رہے — کاسۂ نرگس میں جوں شبنم رہے

گفتم در شعر ہندی ہر جا تمثیل می آرند معمول ست کہ مقابل جوں یوں ایسے جیسے و اس

طرح جس طرح ضرور می آرند کہ شعر بے رونق نہ گردد چنانچہ غزل بندہ است ؎

سیہ خال اُس کے یوں رخسار پر ہیں کان کے آگے

ملنگ اڑ جاے ہے جیسے کسی دوکان کے آگے

غزل تمام در دیوان است گفت آں لفظ در بحر گنجایش نداشت گفتم ایں قسم میتواند شد

اشک آکر چشم میں یوں تھم رہے

گفت لفظ ڈبڈبا از دست می رفت گفتم ایں قسم باید گفت۔

ڈبڈبا کر اشک پھر یوں تھم رہے

سوائے ایں مصرع ثانی را چہ باید کرد کاسۂ نرگس سرنگوں میباشد شبنم دراں چگونہ

قرار گیرد بمجرد شنیدن ایں آواز آفریں از مجلس برخاست و مدعی وقت یافتہ گریخت

مجلس جہل و نہم

در عظیم آباد در انجا وارد گردیدم کاظم علی خاں پسر نواب فخر الدولہ از کمال تیاری

ضیافت بندہ فرمودند ارباب نشاط و مردم دیگر بسیار بودند بعد فراغت طعام و رقص و ذکر شعر شاعری بمیان آمد خان موصوف فرمودند کہ چیزے از تصنیف خود بخوانید اشعار خواندم

ہوا نکلتی ہے جراح زخم سینے سے　　　بس اب تو ہاتھ اُٹھا ظالم اسکے سینے سے

تمام غزل در دیوان ست محمد قلی خاں کہ راغب تخلص میکنند تشریف داشتند بعد اتمام غزل گفت کہ مراد در مطلع غزل تامل ست گفت ہر گاہ کہ از زخم ہوا بر می آید می میرد پس بعد مردن چگونہ این مصرع بر آمد گفتم جائے تامل نیست مضمون پیش پاست اگر بفرمایند ہزار شعر ہندی و فارسی در سند بخوانم یکے این ست ؎

مردہ ام لیک غم روئے تو دیدن باقیست　　　از فراق تو یکے آہ کشیدن باقیست

کاظم علی خاں از بندہ فرمودند کہ محمد علی خاں در نشاء شراب بودند صاحب گراں خاطر نشوند گفتم تعین ست

مجلس پنجاہم

در عظیم آباد از طوائف زنے دلبستگی داشتم روزے بخانہ او نشستہ بودم خواستم کہ برخیزم رفتن نداد یک بار این مطلع خواندم ؎

ہو مجکو جو رخصت تو ابھی ہو کے پھر آؤں　　　جا گھر کو یہ کہ منہ سے میں صدقے ترے جاؤں

گفت کہ صلاح شعر ہمین ست کہ برو۔

مجلس پنجاہ و یکم

در عظیم آباد مہر علی خاں بسیار دوست بندہ بودند و از کبیتہ دوہرہ شوق زیادہ داشتند

پیش بندہ ایں کبت خواند۔

جاونری گھر بیٹھ رہو کن پاری ہو نیچ بٹھاون کو
آنے دسے توہیگی البیلی للا انہیں کون کہے سمجھاون کو
اُن کے رس ہیں رس ریت نہیں رس ریت ہی ریت جتاون کو
اے جی پیاسے کنواں پر جاتے سنے نکہ آوے کنواں مجھے پیاون کو

اگرچہ بندہ دریں فن دستگاہے نداشت برائے تفنن طبع ایں کبت بدیہہ در جواب گفتم۔

ایسے پیتم موسے روس رہے ہیگی ٹھاری ہو جاوں ہے لاؤ سکھی
اٹھکھیل ہیں پیاسے البیلی للا ون ہیں کو توطرح سمجھاؤ سکھی

بمجرد شنیدن ایں را نوشتہ گرفتند و گفتند چند دوہرہ بخوانید چند دوہرہ خواندم۔

نگیں بیاکل ہت ہیں جب سے لاگی پیت | پیم نگر کی اے سکھی دیکھی اُلٹی ریت
نگیں آئے نہ آئے سکھی بھلے گئے پردیس | نگر نگر اب ڈھونڈھتی کرجوگن کا بھیس

مجلس پنجاہ و دوم

در عظیم آباد کہ میلہ کھاٹوں می شود دراں تمام مردم وضیع و شریف و زن و مرد دریا غہار رفتہ چند روزی مانند و رقص و تماشا می بینند بندہ را کہ از چندیں صاحبان آنجا ربط شدہ بود باہم در سیر کھاٹوں بہ یاغہار رفتہ گلگشت مینمودم بکا نیکہ نواب شجاع قلی خاں ولد نواب منیرالدولہ نشستہ بودند روبروے اوشاں امام بخش بھانڈ کہ در شوخی رقص

وخواندن آفت زمانہ بود و نقلہا عجیب عجیب میکرد بھانڈ نکور بخدمت نواب عرض نمود کہ غزل ریختہا بسیار شنیدہ اند اگر حکم شود ریختی بخوانم فرمودند ریختی چہ معنی دارد عرض کرد کہ رنگین نام شاعرے در شاہجہان آباد دریں ایام ایجاد کردہ است یعنی بزبان بیگمات غزلہا گفتہ ریختی نام نہادہ است ۔

ٹیس پیڑو میں اُٹھی اوہ مری جان گئی　　　مت ستا مجکو دوگانا ترے قربان گئی

اشخاصان کہ دراں تماشا ہمراہ بندہ بودند پرسیدند کہ ایں تصنیف ایشان ست گفتم بلے یک دیوان گفتہ ام مع قصیدہ مثنوی و فرد و رباعی و قطعہ و مخمس و مستزاد بسیار خندیدند القصہ نظر نواب صاحب برما افتاد طلبیدہ بہ تواضع پیش آمدند و نزد خود جا دادند واز بندہ فرمودند کہ ایں ریختی ایجاد ایشانست گفتم بلے امام بخش را طلبیدہ بہ بندہ گفتند کہ کدام غزل ریختی دیگر بخوانید ایں غزل خواندم ؎

مجھ پہ طوفان نہ لے چاہ کا چل دُور دوا　　　جھوٹ سے مُنہ کا ترے جائیگا اُڑ نور دوا

ایں غزل نویسانیدم امام بخش عرض کرد اعتبار نیست شاید کسے دیگر باشد غزل تازہ ہمین وقت بگویند فی الفور ایں غزل گفتم ؎

شکل جو آپ کی یاد آتی ہے　　　تو اجی روح نکل جاتی ہے

وہ تو موتی نہیں ہے کم بخت

بات جو دل کو مرے بھاتی ہے

ایں غزل در دیوان ست ۔

مجلس پنجاہ و سوم

در مرشدآباد بخانہ حکیم رضا قلی کہ اوشان حکیم نخاص میفرمایند و شاگرد میر سوز اند ہمراہ محمد خاں وارد گردیدند و ذکر اشعار میر مذکور میان آمد در وصف ایشان سخن باینجا رسانید کہ برابر بول چال آنہا کسے نیست شخصے از میاں گفت کہ در کلام میر سوز لفظ قباحتے کہ بطرف خود دھانیدہ شود می آیند گفتم در کلام اوشان دگر قصورست آشفتہ آشفتہ گفتند کہ قطعہ از استاد یاد آمدہ است از نقصان اطلاع دہند گفتم چہ ضرورست کہ بے ادبی در کلام بزرگ میشود معاف دارند ہر گاہ بجد شدند و ایں قطعہ خواندند ؎

میں کہا دل میں درد ہے میرے — ہنس کے کہنے لگا خدا نہ کرے

پھر جو کچھ جی میں آگیا تو کہا — ہمیں پیٹے اگر دوا نہ کرے

گفتم در مصرع اول ''میں کہا'' غیر فصیح ست و در مصرع دوم دریافت نمی شود کہ کدام کس خندیدہ گفت

ہنس کے کہنے لگا خدا نہ کرے

اگرچہ خطاب بمعشوق ست لیکن پوشیدہ است۔

پھر جو کچھ جی میں آگیا تو کہا

یہ دریافت نمی شود کہ در دل کدام ست و در مصراع چہارم لفظ پیٹے استعمال زبان زنان ست مرداں لفظ پیٹے بر زبان نیارند روز دوم چند قطعہ در جواب آں مرحوم پسند فرمود

قطعہ

روٹھ کر میں جو اٹھ چلی رنگیں — ہو کے وہ بیقرار دوڑے آئے
لگ کے چھاتی سے پھر لگے کہنے — ہائیں ہئی کرے جو آگے جائے

قطعہ

میں نے پوچھا کہ جانتے ہو مجھے — بولے رنگیں کہ ہم تو بھول گئے
اُن کے مُنہ سے یہ بات سُنتے ہی — بس مرے ہاتھ پانوں پھول گئے

مجلسِ پنجاہ و چہارم

در مرشدآباد مرزا بھجو کہ باہندہ دستار بدل شدہ اند پسر ناصر محمد خاں از طرف نواب ببر جنگ پسر نواب مبارک الدولہ کہ صوبہ دار مرشدآباد ہست شعر میر تقی را نزد بندہ خواندہ امتحاناً فرمایش جواب کردند ؎

کیا کہیں اپنی سخت جانی کی — ہم نے مر مر کے زندگانی کی

بدیہہ در جواب ایں مطلع گفتم و در کلکتہ رسیدہ غزل سرانجام نمودم ؎

روح نے جسم پر گرانی کی — اب یہ حالت ہے ناتوانی کی

مجلسِ پنجاہ و پنجم

در مرشدآباد مرزا لکھو کہ از دوستانِ مرزا بھجو بودند مطلع میاں نثار پیش بندہ خواندند

و داد خواستند ـ ـ

بولا جو پکار ایں کیا خانہ خرابی کی ہیں آپ ہی آ رہتا کیوں تم نے شتابی کی

بندہ فی الفور دو شعر گفت ـ

اشک آنکھوں سے برسا کے اور چشم گلابی کی اس دل کے لٹکنے نے کیا خانہ خرابی کی

کچھ شعلے سے اٹھتے ہیں یا بوجی کو جلاتے ہیں سینے میں مرے دل ہے دو دکان کبابی کی

مجلس پنجاہ و ششم ۵۶

در مرشد آباد مردمان برائے بیڑہ در کشتیہا سوار شدہ میروند تمام شب ہزار ہا بجرہ و پالکی و گھڑ دوڑ و بگھی در دریا میگردند ہمہ چیز در آنہا مہیا می باشد ہر کس تماشائے آتشبازی روشنی می بیند و بیڑہ مثال تعزیہ صدہا بیڑہ از بانس درست کردہ زیر آنہا کوزہاے گلی میچسپانند سی سی گز طول و پانزدہ پانزدہ گز عرض و شش گز دو منزلہ سہ منزلہ تیار می نمایند و پائین و بالائے آنہا چراغہا و کنولہا و اندرون فرش و روشنی شمعہا کہ از میان آنہا دمبدم آتشبازی سر میشود و جھاڑہاے بلوریں و پوشش از تمامی و پارچہ وغیرہ می کنند و دراں رقص می نمایند و از ہاے سقف آتشبازی انار و پھولجھڑی وغیرہ سر میشود و درازی مرشد آباد و بنگلہ کشش کردہ ست در میان ہر دو شہر ہا از روشنی و بیڑہا یک وجب جائے خالی نمی ماند بندہ ہم در یک کشتی سوار گشتہ سیر می نمود در یک بجرہ مراد بخش طوائف پیش کسے عمدہ غزل جرأت می خواند ـ

روز غل آگ اُٹھنے کا یہاں رہتا ہے　　جس محلے میں ترا سوختہ جاں رہتا ہے

بندہ را خوش آمد در جواب مطلع غزل گفتم ؎

اُسنے پوچھا کہ ترے درد کہاں رہتا ہے　　دل پہ رکھ ہات کہا میں نے یہاں رہتا ہے

مجلس پنجاہ و ہفتم

در کلکتہ چندے اوقات بسر کردہ ارادہ حج کردم نود روپیہ کرایہ صرف ذات خود دادہ در جہاز نشستہ در عرصہ ہشت روز از کھجوریا و کیلا گانجی کہ نام آب ست گذشتہ بہ سرحد دریاے شور کہ از کلکتہ دو صد کروہ ست در روزانہ جہاز راہ میرود و در جہازے کہ بندہ نشستہ بود نود گز طول و بیست گز عرض و بیست گز بلندی بود جہاز ہر قدر کہ طول دارد چہارم حصہ بلندی و عرض دارد و خلاصی بر آں بسیار و سہ مستول و در ہر مستول دہ دہ بادبان بستہ گندگی مستول آں قدر کہ در بغل جوان نیاید در لیسان لنگر از موہاے ناریل بصد گز درازی دو وجب در گندگی و لنگر آہنی سی من وزن دارد و لک من بار جہاز می بردارد و نصفے مال تجارت و باقی بار خورش و آب وغیرہ سرانجام جنگ و ناخدا و چہار معلم بودند صعوبات بسیار کشیدم از تکان صدمہ دوران سر شدہ بود و خوراک خشکہ و ماہی بے روغن و بے نمک و آب قدر یکہ تشنگی ہم نمی رفت و از آب شور خارشت پیدا شدہ بود از زندگی سیر آمدہ بودم شیخ کریم اللہ در جہاز ہم سفر بودند تمر ہندی میخوردیم و از خارشت بجاں آمدیم در آں وقت ایں شعر گفتم ؎

دم آیا ناک میں اس آہ اور زاری کے جلنے سے
طبیبو موت ہی بہتر ہے بیماری کے جلنے سے

غزل در دیوان ست وناخدا گفت کہ امسال بکعبہ نخواہم رفت تجارت بصرہ خواہم کرد ماکہ ارادہ حج داشتیم منت نمودیم برمایاں رحم آوردہ از مندراج بازبہ کلکتہ روانہ کرد ازمکانیکہ برگشتم کعبہ چہل روز راہ ماندہ بود حق تعالی عذاب جہاد بکسے نصیب نکناد۔

مجلس ۵۸ پنجاہ و ہشتم

درکلکتہ روزے برائے سیر سڑک بسیار بی بی صاحبان انگریز بر بگھی و سپنس وغیرہ سوار شدہ برائے ہوا خوردن ہیر فتند رفتہ بودم شخصے در بازار مطلع مرزا رفیع میخواند ؎

گو غنچہ ساں گرہ میں ؤ نی جمع زر کرے
آخر برنگ گل ہو پریشاں سفر کرے

بندہ فی الفور ایں قطعہ گفت ۔

جو کوئی آکے باغ جہاں کی بہار میں
اک دم بھی مثل باد صبا کے گذر کرے
رنگیں بقول حضرت سودا خزاں سے وہ
آخر برنگ گل ہو پریشاں سفر کرے

مجلس ۵۹ پنجاہ و نہم

درکلکتہ دو شخص بر اشعار میر تقی نزاع داشتند یکے میگفت کہ در وصف اوشان مرزا رفیع گفتہ است ؎

سودا تو اس غزل کو غزل در غزل ہی کہہ
ہونا ہے تجھ کو میر سے اُستاد کی طرف

دومی گفت ایں ہجو پایہ ست مرزا گفتہ ؎

نہ پڑھیو یہ غزل سودا تو ہرگز میر کے آگے
وہ ان طرزوں سے کیا واقف وہ ایسا ازکیا جانے

ہر دو نزد بندہ آمدہ یکے گفت شستگی الفاظ و محاورہ اوشاں خوب ست یکے ایں شعر خواند ؎

دیر و حرم میں کیونکہ قدم رکھ سکوں ہیں میر
ادھر تو مجھسے بت پھرا ادھر خدا پھرا

دگفت شستگی الفاظ ملاحظہ فرمایند بندہ گفت اوشان الفاظ را در شعر بہ تنگی نشست میفرمایند شخص اولیں گفت ایں محل دیگر شگافت و گلوگیر بندہ شد ہر چند خود را کشیدم مخلصی ندیدم ناچار ایں دو شعر میر خواندم ؎

سارے رند اوباش جہاں کے تجھسے سجود میں رہتے ہیں
بانکے ٹیڑھے ترچھے تیکھے سب نے تجھ کو امام کیا

کیسا کعبہ کس کا قبلہ کون حرم کیسا احرام
کوچے کے تیرے باشندوں نے سب کو یہیں سلام کیا

مجلس شصتم

در ڈھاکہ مرزا علی تجارت پیشہ اند و شوق شعر دارند بخانہ اوشاں رفتم و در عین اختلاط یک نقل پوربیہ بیان کردم تمام نقل شنیدہ مجوز شدند کہ ہمیں وقت در نظم گفتہ و بخاطر شان نظم کردم ؏ اتفاقاً پوربی تھے یار دو۔
در اینجا در نگیں ملاحظہ فرمایند۔

مجلس شصت و یکم

در جہانگیر آباد روزے نزد مرزا علی مع چند شخص دیگر نشستہ بودیم مرزا فرمودند
کہ کدام مخمس بخوانید خواندم۔

اُسکی ہمل پر موقوف اپنی زندگانی ہے — دم کا کیا بھروسا ہے یہ جہان فانی ہے
آرزوے ملنے کی عالم جوانی ہے — ہجر کی اندھیری شب کیا غضب ڈرانی ہے
آج اُس کا یہاں آنا عین مہربانی ہے

تمام در دیوان ست مع مخمس دوم گفتم۔

مجلس شصت و دوم

در ڈھاکہ مرزا عزیز و شیخ ہدایۃ اللہ و میر جاگن و بندہ در کشتی سوار بودیم مرزا گفتند
کہ آنصاحب چند شاگرد دارند گفتم مونث مذکر دہ کس باشند گفتند در شاہجہان آباد زنان
ہم شعر میگویند گفتند کہ چیزے از شعر زنان بخوانید او اچند شعر میر سید علی غمگین خواندم

یہ داغ عشق نہ ہو دور اپنے سینے سے — کہیں مٹا ہے کھدا حرف بھی نگینے سے
جنوں نے چاک کیا ہی پھر اس گریباں کو — نہیں ہے فائدہ ناصح اب اسکے سینے سے
جو جا ہمو بلے ہیں اُسکے انھیں سوا اُس کے — نہ کام مال سے مطلب نہ کچھ خزینے سے
سوا تمھارے مجھے اور سے نہیں کچھ کام — نہ تم سے غیر لگاتے ہیں آکے کینے سے

اب اس قدر مجھے اس عشق نے ستایا ہے — کہ تنگ آیا ہوں غمگیں میں اپنے جینے سے



بغیر تیرے نہیں کوئی یار آنکھوں میں — پھرے ہے تو ہی تو لیل و نہار آنکھوں میں



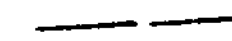
مضطرب تھا دل اپنا جوں پارا — آخر اس شوخ نے جلا مارا



شمع ترا یہ مکھڑا ہے اور دل میرا پروانہ ہے — داغ جگر پر عشق میں تیرے مثل چراغ خانہ ہے



میرے صیاد نے اک ظلم یہ ایجاد کیا — بال و پر توڑ قفس سے مجھے آزاد کیا



مرا اس عشق کی دولت سے چہرہ زعفرانی ہے — نکلتے اشک جو آنکھوں سے ہیں سو ارغوانی ہے



از مشق بسنت سنگھ نشاط خواندم

دل لٹک کر زلف میں الجھا ہے بالے کے ساتھ — جز سیہ بختی پھر نگا وہاں سے وہ کیا لے کے ساتھ
بھاگا دل شاید اس آفت کے پرکالے کے ساتھ — آگ کے شعلے نکلتے ہیں جو ہر نالے کے ساتھ
ہے تمہیں نفرت تو کیجیے ڈانوا ڈول دل وہ — مت کرا اتنی کھینچ اپنے چاہنے والے کے ساتھ
وادی غربت ہوا رشک ہزاراں گلستاں — کی ہے کاوش خار نے ہر اک کے چھالے کے ساتھ

دل چل اب منظور کر سیر بہشت پنجاب ہی | مستعد چلنے پہ ہیں سرہند والے کے ساتھ
دیکھتے ہی اُسکے سوجھی مجکو سیر لامکاں | عالم بالا نظر آیا ترے بالے کے ساتھ
پیچ مت کھا حلقۂ گیسوئے مشکیں کا نشاط | ناگہانی حادثہ ہے کھیلنا کالے کے ساتھ

کوئی تڑپے ہے مارا چشم کا اور کوئی قامت کا | ترے کوچے میں ہے گرم آج ہنگامہ قیامت کا

پیامبر یہی کہیو تو ماجرا دل کا | کہ نا نوشتہ ہی بہتر ہے مدعا دل کا

جسے چاہے ہے یہ دل وہ قیامت خوبصورت ہے | پری ہے حور ہے تصویر ہے محبوب صورت ہے

ہم تو اب ناک شہ پھرتے ہیں فاقے سے اپنے | جو کیا تم نے سو تم پاؤ خدا سے اپنے

اس دل وحشی کو گر چھوڑے گی پھر زنجیر زلف | دام تھا ہی سبزہ خط اور اب ہوئی زنجیر زلف

از انتخاب آفتاب خاں منیر خواندم سے

ہے ہمارے یار کو اوروں سے اکثر اختلاط | ایک ہم سے ہی نہیں رکھتا ستمگر اختلاط
اس طرح دل کو محبت تجھ سے ہے اے شعلہ خو | جس طرح آتش سے رکھتا ہے سمندر اختلاط

واہ والے دلبر بے مہر سرکش تو مدام
ہم پہ کرتا ہے ستم غیروں سے اکثر اختلاط

بے ترحم بے کرم بے مہر کوئی اے صنم
کس توقع پر کرے اب تجھ سے آکر اختلاط

آتش حسرت سے ہو جاتا ہے دل جلکر کباب
اُس لب میگوں سے جب کرتا ہے ساغر اختلاط

از غم سے جگر ہوتا ہے میرا چاک چاک
کرتی ہے شانے سے جب زلف معنبر اختلاط

اُسکے ملنے سے ہوا رسوا جہاں میں اے نیر
ہم نہیں کہتے تھے تجھ کو آ تو مت کر اختلاط

یار کا کچھ وصف خط کر نہ سکیگا رقم
کیسا ہی گو آپ کو آپ تراشے قلم

جی چاہتا ہے زلف کا تیری بیاں کرے
کنگھی کے دانت توڑ کے اپنی زباں کرے

مکتب میں تجھے دیکھ کے بے ہوش سبق ہے
ہر طفل کے یہاں اشک سے آلودہ ورق ہے

از مشق محمدی خاں خواندم سے

یاد جس وقت تری آتی ہے
مجکو ہچکی وہیں لگ جاتی ہے

قدر انساں کی تب آتی ہے
جان جب اُسکی نکل جاتی ہے

بولتے مجھ سے نہیں نہ دیہات
وصل کی شب یہ چلی جاتی ہے

غیر آتے ہیں نہیں پردہ کچھ
مجکو یہ خو تری کب بھاتی ہے

قتل کرتی ہو ویہ ہجر کی شب — جب وہ صورت مجھے دکھاتی ہے
گردشِ دہر اس ہوئی ہے جان — سانگ اب دیکھیے کیا لاتی ہے

دنیا میں ہم جو آئے تو کیا کام کر چلے — ناحق ہم اپنے نام کو بدنام کر چلے

دل ہمارا جو اس پہ مرتا ہے — کب خبر اس کو کوئی کرتا ہے

از راجہ کدار ناتھ کہ نسیم تخلص میکنند خواندم ؎

آتی ہیں یاد جس دم اس ماہرو کی چاہیں — لیتا ہوں سانس ٹھنڈی بھرتا ہوں گرم آہیں
مشکل ہوا ہے ہم کو اب دیکھنا بھی اس کا — لڑتی تھیں اپنی جس سے دن رات یہ نگاہیں
کیونکر ہو چین اس بن صحبت ہو جس سے ایسی — چھاتی سے لگتی چھاتی باہوں کے ساتھ باہیں
آساں نہیں قدم کو اس سرزمیں میں رکھنا — ہے سخت منزلِ عشق اسکی کڈھب ہیں راہیں
امیدِ وصل ہی میں ہوگا وصال ایک دن — کب تک نسیم اسکی فرقت میں ہم کراہیں

مسی مالیدہ دنداں یار کے یکسر چمکتے ہیں — تعجب ہے کہ تارے ابر میں کیونکر چمکتے ہیں

کیوں آپ ہم سے ناحق اب دن بدن خفا ہیں — چاہت کے ہم ہیں بھوکے الفت کے آشنا ہیں

سے جب سے چھپا ہم سے دلارام ہمارا — پاتا ہی نہیں تب سے دل آرام ہمارا

گھٹا کیونکر نہ اب اس دیدۂ گریاں سے گھبرائے — وہ برسے ایک پل پر یاں شب و دن یا سا برسا کرے

گرم الفت دل ہے اُس آتش کے پرکالے کے ساتھ — آہ سوزاں دمبدم نکلے ہے ہر نالے کے ساتھ

از راجہ شنکر ناتھ کہ صبا تخلص میفرمایند خواندم ؎

بیاں کیا کیجیے جو کچھ کہ ہم پر درد و غم ہوگا — میاں جاتے ہو تم یہاں سے عجب یاں الم ہوگا
تمھاری یاد میں گذریگا مجکو رات دن روتے — نہیں معلوم اور دل پر مرے کیا کیا ستم ہوگا
اگر تو مبتلا ہوتا کسو پر تو سمجھتا کچھ — تری جانے بلا جو کچھ کہ مجھ پر اے صنم ہوگا
تو ہی بے رحم ہے جو مجکو رحم آتا نہیں ظالم — جو کوئی اور دیکھے گا مجھے وہ چشم نم ہوگا
غلط سمجھا ہے تو پیارے رہے یاد کیا امکاں — قرار اس دل کو میرے آہ تجھ بن ایکدم ہوگا
ہمیشہ داغ پر یہ داغ کھاتا ہے مرا سینہ — کوئی دن کو جو دیکھو گے تو یہ رشک ارم ہوگا
صبا کس واسطے ہوتا ہے مضطر دل میں تو اپنے — لکھا لایا ہے جو قسمت میں کب وہ بیش و کم ہوگا

کیا پوچھتے ہو جور و ستم مجھ سے یار کا — دیکھو یہ حال میرے دل بیقرار کا

باغ میں جب وہ نوجوان گیا
سرو کا قد پر اُس کے دھیان گیا

کوئی دم باقی تھا اسکا سو تنگ کر رہ گیا
تیغ ابرو کا تری گھائل سسکا رہ گیا

بے سبب ہرگز نہیں ہے پیار کرنا یار کا
دیکھیے ہے کیا ارادہ اُس بت عیار کا

از دیوان عالم لسا کہ پنہاں تخلص میکند خواندم

اِس آہ سے نے ہماری آخر یہ کی رسائی
ظلم و ستم وہ بھولا اور ہم سے کی صفائی

کچھ شک نہیں ہے اسمیں یہ میں سمجھ رہی ہوں
ایک روز پھر کرے گا آخر وہ بیوفائی

بوسہ جو میں نے مانگا کہنے لگا وہ ہنسکر
چل دور تو نے ہی بکواس کیا لگائی

یہ سُن کے آئی وحشت میں گھر سے بھاگ نکلی
زنجیر پاؤں پڑ کر پھر گھر میں اپنے لائی

کہتے تھے لوگ مجکو دینا نہ دل تو پنہاں
جیسا کیا تھا میں نے ویسی سزا ہے پائی

دل ہم نے دیا تھا تجھے دلدار سمجھکر
تھا ہم نے لیا عشق کا آزار سمجھکر

ایسا ہے وہ ظالم کہ عیادت کو بھی گاہے
آتا ہی نہیں یہاں مجھے بیمار سمجھکر

تو ایک ہی بھلا ہے کہ قائل ہیں ترے ہم
سنتا نہیں پھر بات کو یکبار سمجھکر

پہالا یہ ثمر ہیگا جنّت کے شجر کا — روتے ہیں جو یہ دیدۂ خونبار سمجھکر
تو عشق کے پھندے میں نہ پھنسنا کہیں ناں — نادان نہ ہونا کبھو زنہار سمجھکر

تجھ بن تڑپ رہا ہے یہ بیمار بے طرح — ہے غم سے آج دل کو سروکار بے طرح
یارب یہ درد کیا ہے کہ جسکا ہے نام عشق — دل کو لگا ہے اپنے یہ آزار بے طرح
دلدار اُسکو سمجھے تھے ہم خوب سوچ کر — آخر کو نکلا وہ تو دل آزار بے طرح
محفل میں میں نے اُسکی جو جاکر کیا گذر — دیکھا تو ہے نشے میں وہ سرشار بے طرح
تو کو میں نے پھر جو کچھ اس بات کا کیا — بگڑا بہت ہی مجھ سے وہ خونخوار بے طرح
یا رو خدا ہی خیر کرے اُن کی جان کی — پنہاں ہوے ہیں اُکی گرفتار بے طرح

بعد آں عرض کردم کہ شخصے از عالم نسا بتیم تخلص دارد و در مزاج آں شوخی کمال ست روزے چند غزل برائے اصلاح فرستادہ و چند غزل ریختی ازیں جانب طالب بود بندہ ایں غزل فرستاد۔ ؎

میں پیڑو میں اُٹھی لو ہی مری جان گئی — مت ستا مجکو دوگانا ترے قربان گئی
تجھ سے جب آنکھ ملی تھی مجھے کچھ دکھ ہی تھا — ہاتھ ملتی ہوں تری بات کو کیوں مان گئی

و جانا غزل در دیوان ست در جواب ایں غزل از راہ شوخی نوشتہ فرستاد ؎

کبھو کہتا ہے تو دل اور کبھو جان گئی — جھوٹی باتیں مری جان یہ پہچان گئی

ہیجڑا پن کو ذرا چھوڑ کے مردی پکڑو | کچھ یہ بولی ہے کہ اے اوہی مری جان گئی
جی میں کچھ اور نہ لے جائیو واری تیرے | تو تو شاعر ہے بڑا میں تجھے پہچان گئی
تیر کی طرح تری بات مرے جی کو لگی | تیری رنگینی پہ ان شعروں کے قربان گئی
جان سنگیم کو تو بس اپنی ہی بونڈی رنگیں | صدقے ہر دم ترے واری ترے ہر آن گئی

ہر گاہ ایں غزل نوشتہ بہ بندہ فرستاد ہماں وقت بر پشت آں در جواب نوشتہ فرستادم

کس نے لکھا تھا تمھیں دل گیا اور جان گئی | مجکو کیوں لکھتی ہو تم میں تجھے پہچان گئی
ہیجڑا مجکو تو کہتی ہو خبردار رہو | وقت پر کہیو نہ بس کر ترے قربان گئی
جسکو رکھتا ہوں اسے دیتا ہوں سادی خرچی | نخرا پھر کر کے میں کہتا ہوں مری جان گئی
پڑھ کے اس شعر کو تیرے تو ہوا تھا میں خفا | کچھ بھی بولی ہے کہ اے اوہی مری جان گئی
پر وہیں ہنس پڑا جب میں نے پڑھا یہ مصرع | تیری رنگینی پہ ان شعروں کے قربان گئی

از اشعار عزیز طوائف کہ عزیز تخلص میکند خواندم

جب کہ باغ و بہار دیکھیں گے | ایک گل کیا ہزار دیکھیں گے
تم نہ دیکھو گے گو ہمیں سو بار | ہم تمھیں لاکھ بار دیکھیں گے

اس کتاب میں جن آدمیوں اور جن شہروں کا ذکر آیا ہے اُن کے نام دو فہرستوں میں حروفِ تہجی کی ترتیب کے لحاظ سے لکھے جاتے ہیں۔ شاعروں کا تخلص اُن کے نام سے زیادہ مشہور ہوتا ہے اِس لیے اِس فہرست میں اُن کا تخلص نام سے پہلے رکھا گیا ہے اور ترتیب میں اُن کو تخلص کے اعتبار سے جگہ دی گئی ہے۔ ہر نام کے سامنے اُن مجلسوں کا حوالہ دے دیا گیا ہے جن میں وہ نام آیا ہے۔

اسماء الرجال

اسماء البلاد